جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

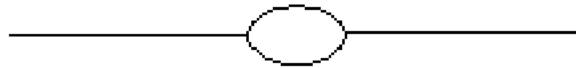
محرم الحرام ۱۴۳۱ھ / جنوری ۲۰۱۰ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆



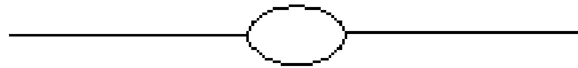
کلمۃ الحق — مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

رحلت جلیل

حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رائپوری کا سانحۂ وفات

مورخہ ۳رذوالحجہ ۱۴۳۰ھ بروز ہفتہ موبائل پر مکرمی مولانا محمد ابراہیم صاحب خطیب جامع مسجد فیصل جھاوریاں نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رائپوری ابھی کچھ دیر قبل انتقال فرما گئے ہیں اوران کا جنازہ عشاء کے بعد ڈھڈیاں میں ہوگا، احقر نے حضرت کے خویش جناب مولانا قاری مظفر صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے بھی اس حادثہ کی تصدیق کردی اور جنازہ کا وقت نو بجے شب بتایا۔حضرت مولانا کی طبیعت کافی عرصہ سے ناساز چل رہی تھی اس لئے احباب کو ہر وقت اس حادثہ کا فکر لگا رہتا تھا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر ایک کے جانے کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس وقت مسمّی سے کوئی مفر ہے،حضرت کیلئے دنیا سے جانے کا یہی وقت طے تھا اس لئے انہوں نے اسی وقت پر داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر کے ابدی سکون وراحت کی منزل کی طرف سفر فرمایا: ؏ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا، اناللّٰہ واناالیہ راجعون اللھم اغفرلہ واکرم نزلہ وابدلہ دارا خیرامن دارہ واھلا خیرا من اھلہ ۔حق تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں اللھم لا تحرمنااجرہ ولا تفتنابعدہ آمین۔

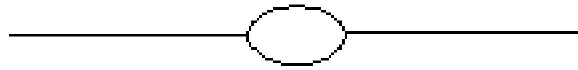
حضرت مولانا مرحوم کا روحانی تعلق خانقاہ رحیمیہ کے مشائخ عظام سے تھا جس کے گل سرسبد حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری نوراللہ مرقدہ تھے،حضرت رائپوری رحمہ اللہ اپنے عہد کی ایک عظیم روحانی ،علمی اور عبقری شخصیت تھی ، آپ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم سہارنپوری اور قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کے خلفاء کرام میں ایک ممتاز حیثیت اور مقام کے حامل تھے،آپ خانقاہ رحیمیہ رائپور کے بانی ،وقت کے جید عالم حقانی وربانی اور امام وقت اور لاکھوں کے روحانی پیشوا تھے،آپ کی ذات قدسی صفات پر اکابر علماء دیوبند کو مکمل اعتماد تھا، ریشمی رومال کی تحریک میں آپ حضرت شیخ العالم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ



علیہ کے خاص معتمد اور دست راست تھے، رائپور کی خانقاہ کو آپ نے ذکر الٰہی کے انوارات سے معمور فرمادیا، وقت کے جید علماء کرام اور مفتیان عظام آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، آپ کا فیض برصغیر پاک وہند میں ہر چہار سو پہنچا اور آپ کے نامور خلفاء کرام نے اس سلسلہ کو مزید آگے پھیلایا، آپ کے بعد خانقاہی اور روحانی سلسلہ کے بقا اور دوام کیلئے اس عظیم مسند پر فائز ہونے کیلئے آپ کی نگاہ انتخاب اپنے عظیم جانثار ممتاز عالم دین اور خاص تربیت یافتہ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی اور اپنی زندگی ہی میں حضرت نے ان کو اپنا خلیفہ بنادیا۔

حضرت عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۲ھ میں رائپور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلسل چودہ سال تک اپنے شیخ کی خدمت کی اور بھرپور استفادہ فرمایا اور پھر شیخ کی وفات کے بعد ۱۳۳۷ھ سے تادم زیست ۱۳۸۲ھ تک ۴۵ سال شیخ کی مسند پر جلوہ افروز رہے آپ کے توسط سے یہ سلسلہ خوب پھیلا اور اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، بڑے بڑے علماء کرام نامور خطباء عظام آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، بہت سے حضرات کو خلعت خلافت سے نوازا گیا جن میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے ممتاز تلامذہ اور جانثار حضرت مولانا محمد صاحب انوری اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے نواسہ حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز رائپوری حضرت مولانا عبدالجلیل رائپوری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ مشہور اور ممتاز ہیں۔

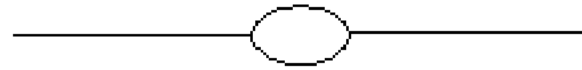
حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ اصلاً پنجاب کے ضلع سرگودھا سے تعلق رکھتے تھے آپ کا آبائی وطن جھاوریاں کے قریب واقع موضع ڈھڈیاں تھا اس لئے آپ کے اعزہ واقارب سب اسی علاقہ میں قیام پذیر تھے، حضرت جب کبھی پاکستان تشریف لاتے تو ڈھڈیاں بھی قیام پذیر ہوتے اس وقت یہ جگہ پورے ملک کیلئے ایک مرجع اور مرکز بن جاتی حضرت کی وجہ سے دور دور سے حضرات حاضر ہوتے اور اس خانقاہ رحیمیہ قادریہ میں قیام کرتے آپ کی معیت وصحبت سے خوب بہرہ ور ہوتے، مستقل قیام چونکہ رائپور کی خانقاہ میں تھا اس لئے کچھ عرصہ بعد آپ پھر رائپور واپس تشریف لے جاتے آخر تک یہی معمول رہا، حضرت نے اپنے شیخ کی خدمت میں ایک طویل عرصہ گذارا اور ان کی رفاقت سالہا سال آپ کو میسر رہی اس لئے حضرت رائپوری کی دلی خواہش تھی کہ وفات کے بعد



بھی اکٹھے رہیں چنانچہ اسی خواہش کے احترام میں حضرت رائیپوری نے جب پاکستان کا آخری سفر فرمایا تو ذمہ دار حضرت سے وعدہ لیا کہ وہ مجھے رائپور پہنچائیں گے تاکہ وفات کی صورت میں تدفین رائپور میں ہو لیکن یہ حق تعالی کو منظور نہ تھا اس لئے ایسا نہیں ہو سکا اور ربیع الاول ۱۳۸۲ھ اگست ۱۹۶۲ء میں جب لاہور میں آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے اعزہ واقارب کے اصرار پر آبائی وطن ڈھڈیاں منتقل کیا گیا اور جنازہ کے بعد تدفین بھی وہیں عمل میں آئی ع وکم حسرات فی بطون المقابر، واللّٰہ غالب علی امرہ ،وذلك تقدیر العزیز العلیم ۔ظاہری طور پر اگر چہ آپ کی تدفین رائے پور نہ ہو سکی لیکن امید قوی ہے کہ حق تعالی نے عالم برزخ میں ان حضرات کی ارواح مبارکہ کو جمع فرمادیا ہوگا وما ذلك علی اللّٰہ بعزیز ، اس طرح ع می دہد یزداں مراد متقیں پر بھی عمل ہو گیا ہوگا۔ واللّٰہ اعلم باسرار افعالہ ویفعل مایشاء ویحکم مایرید۔

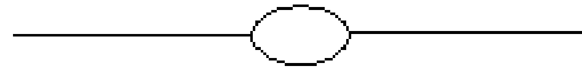
حضرت کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب اور بھانجے حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے مستقلاً ڈھڈیاں میں قیام فرمایا دونوں حضرات نے حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں درس نظامی کی تعلیم مظاہر العلوم سہارنپور میں مکمل کی اور پھر حضرت رائے پوری کی خدمت میں ہی سارا وقت گذارا، حضرت سے بھرپور استفادہ کیا اور سلوک وتصوف کی منازل کو طے فرمایا حضرت نے خلعت خلافت سے بھی سرفراز فرمایا حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رائے پوری نے حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب کی مسند ارشاد پر ڈھڈیاں میں ۱۳۸۲ھ سے ۱۴۳۰ھ تک مکمل اڑتالیس سال اس گلشن رحیمی قادری کو آباد وشاد رکھا اور سالکین راہ سلوک اور طالبان خدا کو خوب سیراب فرمایا، جزاھم اللّٰہ تعالی ورضی عنہ وارضاہ آمین۔

احقر نے نام تو حضرت کا بچپن سے ہی سن رکھا تھا اور ڈھڈیاں سے بھی واقف تھا کیونکہ ۱۹۷۴ء میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ پاکستان تشریف لائے تو آپ جھاوریاں اور پھر ڈھڈیاں بھی تشریف لے گئے تھے حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ حضرت شیخ کی زیارت کیلئے جھاوریاں حاضر ہوئے تو کئی احباب کو حضرت نے ساتھ لیا احقر ناکارہ



کو بھی ہمراہ جانے کی سعادت حاصل ہوئی اور حضرت شیخ کی پہلی مرتبہ زیارت کا جھاوریاں میں شرف حاصل ہوا اس وقت اگر چہ ڈھڈیاں نہیں جاسکا تاہم حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری کے مزار پر حاضری کا شوق پیدا ہوگیا، ۱۹۷۹ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندوی جب ڈھڈیاں تشریف لائے اس وقت بھی وہاں حاضری کا شدید تقاضہ پیدا ہوا لیکن پہلی مرتبہ وہاں حاضری کی نوبت غالباً ۱۹۸۴ء میں آئی حضرت مولانا عبدالوحید صاحب ،حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب دونوں بزرگوں کی ملاقات اوران سے مجلسیں ہوئیں مزار پر انوار پر بھی حاضری دی حضرت مولانا عبدالوحید صاحب نے بہت وقت عنایت فرمایا اور بزرگوں کے واقعات وحالات سنائے حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب اگر چہ طبعاً کم گو کم آمیز واقع ہوئے تھے لیکن انہوں نے بھی خاصا وقت دیا اور بہت سے واقعات وحالات بیان فرمائے ،ایک مرتبہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب انوری کی ملاقات بھی حضرت ہی کے ہاں ہوئی اس کے بعد بارہا حاضری ہوتی رہی جب کبھی حضرت مولانا کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملتا حضرت نہایت قیمتی ملفوظات سے بہرہ ورفرماتے احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی سے خوب واقف تھے اس لئے ان کے فتاویٰ کی اشاعت کے متعلق بارہا استفسار فرماتے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خاص تعلقات تھے اور مسائل وفتاویٰ میں ان پر اعتماد تھا احقر نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ امداد الاحکام چار جلدوں میں مکمل ہو چکا ہے تو بڑی مسرت کا اظہار فرمایا حضرت اقدس والد ماجد کی کتاب تذکرہ حضرت مدنی پر بڑی مسرت اور خوشی ظاہر فرمائی۔

احقر کے استفسار پر ایک مرتبہ بڑی تفصیل سے حضرت رائے پوری ثانی کی تدفین کا واقعہ بیان فرمایا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی آپ بیتی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی کہ حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ اس میں ...... جملہ حذف کر دیا جائے گا ۔ایک مرتبہ صبح صادق کے بارہ میں آپ سے برادرم مولانا مفتی محمد طاہر مسعود سلمہ نے استفسار فرمایا حضرت نے مشہور مروج نقشوں کی تائید فرمائی اور فرمایا کہ کراچی کے جن نقشوں میں دس منٹ کا تفاوت لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے ۔احقر کو ایک بار ذکر اللہ کی بطور خاص تلقین فرمائی حضرت خود بھی سراپا ذکر تھے قلت طعام ،قلت اختلاط مع الانام ،قلت کلام ،قلت منام ،سب مجاہدات پر آپ کا پورا پورا



عمل تھا اور ذکر اللہ کے خاص انوارات وبرکات اوراثرات دیکھنے سے محسوس ہوتے تھے ۔

احقر پر حضرت کی خاص شفقت وعنایت تھی اپنے بڑوں کی نسبت سے بعض مسائل کے متعلق احقر سے استفسار فرماتے چند سال قبل حضرت نے تحریری طور پر میراث کے ایک مسئلہ میں احقر سے فتویٰ طلب فرمایا احقر نے جواب لکھ کر خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے بڑی دعاؤں سے نوازا، یہ ان کی خوردنوازی اور تواضع وعاجزی تھی کہ اس ناکارہ کو یاد فرمایا ورنہ حضرت کے متعلقین واحباب اہل علم اورارباب فتویٰ کی کمی نہ تھی ۔

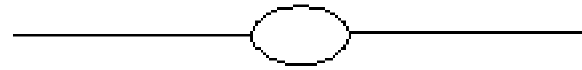
حضرت کو شہرت سے بے حد درجہ نفرت تھی ان حضرات کے ہاں اخفاء اوراپنے آپ کو مٹانے کا خاص ذوق تھا اور فنائیت کا بھی وہی مقام معلوم ہوتا تھا جو کسی شاعر نے اس شعر میں یوں بیان کیا ہے:

تو درو گم شو وصال ایں است وبس گم شدن گم کن کمال ایں است وبس

حب جاہ ایک ایسا مرض ہے جو عارفین کے ارشاد کے مطابق ان سے بھی سب سے آخر میں نکلتا ہے آخر مایخرج من قلوب العارفین حب الجاہ ،اس کے بعد یقیناً انسان کامل انسان بنتا ہے ان حضرات میں فنائیت ،تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔

احقر جنازہ میں حاضر ہوا لیکن اس وقت کسی سے بھی ملاقات اور تعزیت نہ ہوسکی عید الاضحیٰ کے بعد حاضر ہوا تو محترم جناب قاری مظفر صاحب زید مجدہم نے حضرت کی تواضع اور فنائیت سے متعلق واقعہ سنایا کہ حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر دامت برکاتہم نے کسی ذریعہ سے معلوم کرنا چاہا کہ حضرت اس وقت کس مقام پر ہیں تو حضرت نے اس استفسار کے جواب میں فرمایا کہ حضرت نواب صاحب سے میری طرف سے عرض کردیا جائے کہ میں تو صفر محض ہوں کچھ بھی نہیں ہوں سبحان اللہ شیخ سعدی نے سچ کہا ع نہد شاخ پر میوہ سربر زمیں، زیر بار اند درختاں کثمر با دارند ۔

بلاشبہ انسان کی تباہی میں حب جاہ اور حب مال کا بڑا دخل ہے حق تعالیٰ اپنے جن خاص بندوں پر اپنا فضل فرماتے ہیں ان موذی امراض سے انہیں بچالیتے ہیں اور شہرت سے نفرت اور حقیقی تواضع ان کے لئے دائمی شہرت بقاء ودوام اور یوضع له القبول فی الارض کا ذریعہ بن جاتی ہے اور پھر قمر بلکہ بدر کامل بن کر یہ حضرات اپنی حیات مستعاری میں نہیں بلکہ وفات



کے بعد بھی چمکتے رہتے ہیں اور دوسروں کے لئے راہنمائی کا سبب بنتے ہیں اور اپنے فیوضات وبرکات کی وجہ سے بعد میں بھی زندہ رہتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ان حضرات کا تنہا وجود ہی کتنے فتنوں کے سدباب کا ذریعہ ہے اس کا صحیح علم ان حضرات کے دنیا سے رخصت ہونے پر ہی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرماویں اور ہمیں بزرگوں کی برکات سے محروم نہ فرماویں آمین۔

حضرت کی حیات میں بھی کئی مرتبہ حاضری ہوئی آپ کے بعد بھی بارہا جانا ہوا اور حضرت نے غایت شفقت وعنایت سے بڑی توجہ فرمائی اور بڑی دعائیں دیں احقر نے جب بھی اہل خانہ کے لئے اور اپنے لئے جامعہ کے لئے دعاؤں کے لئے عرض کیا تو ڈھیروں دعائیں دیں۔

حضرت کا مزاج جلسوں اور اجتماعات میں شامل ہونے کا نہ تھا چند سال قبل برادرم مولانا اشرف علی مدظلہ نے اپنے ادارہ کے جلسہ میں حضرت کو دعوت دی تو ان کے اصرار پر از راہ شفقت وعنایت حضرت تشریف لائے جلسہ کی سرپرستی فرمائی اور دعا بھی فرمائی۔

ایک مرتبہ جامعہ محمودیہ سرگودھا کے جلسہ میں لاہور سے حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ بھی تشریف لائے حضرت کی موجودگی میں حضرت مولانا کا بیان ہوا حضرت نے بھی سماعت فرمایا ،جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا کے جلسہ میں بھی حضرت تشریف لائے حضرات کو وہاں بھی حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا،ان حضرات نے اپنے آپ کو مٹانے کی حد کردی تھی اس لئے نئی نسل کے نوجوانوں کو حضرت اقدس کی زیارت اور تعارف نہ تھا ان جلسوں میں تشریف آوری سے انہیں زیارت کا موقع ملا۔حضرت کے پسماندگان میں آپکے صاحبزادگان حضرت مولانا سعید صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہما حیات ہیں اور وہ حضرت کے مشن کو آگے بڑھارہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرمائیں اور انہیں مزید ترقی دیں،آمین۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودہا

۲۷/ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ ۱۵/دسمبر ۲۰۰۹ء

مفتی سید عبد القدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

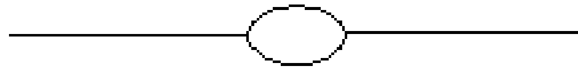
اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا:

''اے قوم قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے، اور تم سب ان کے عادات واخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانتدار جانتے اور کہتے تھے اب جبکہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے اور انہوں نے ایک بے مثل کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، ان کے کلام سنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔

اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی ہے، ان کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں'' (خصائص کبریٰ ج ا ص ۱۱۴)

حضرت ابوذر صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی اُنیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا، اس نے واپس آ کر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں! بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی اُنیس خود بڑا شاعر ہے اور کہانت وغیرہ سے

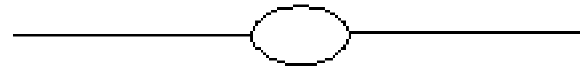


واقف آدمی تھا،اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیالوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں،ان کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے،نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھےوہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا،اور مسجد حرام میں آکر پڑ گیا،تیس روز میں نے اس طرح گذارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا،اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا(خصائص ج ۱ص ۱۱۶)واپس گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں،اور کاہنوں کے کلمات اور حمیر کے مقالات بہت سنے ہیں،محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سنی،تم سب میری بات مانو،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو،چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے(خصائص ج ۱ص ۱۱۶)

اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے،اور اس کے عجیب وغریب ، بے مثل وبینظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے،مگر جب قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کلام کو ایسا بےنظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے،وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں،اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے اب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں،میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا(خصائص)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور سکوت کیا، بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے،اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہوجاتی۔(معارف القرآن ج ۱ص ۱۵۰)



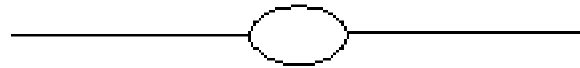
مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

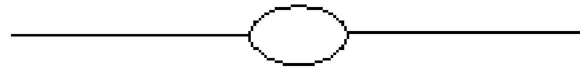
ارکان اسلام پر جنت کی بشارت

عن انس بن مالك قال نهينا ان نسال رسول اللهﷺ عن شيء فكان يعجبنا ان يجيء الرجل من اهل البادية العاقل فيسئله ونحن نسمع فجاء رجل من اهل البادية فقال يا محمد !اتانا رسولك فزعم لنا انك تزعم ان الله ارسلك قال صدق قال فمن خلق السماء قال الله قال فمن خلق الارض قال الله قال فمن نصب هذه الجبال وجعل فيها ما جعل قال الله قال فبالذى خلق السماء وخلق الارض ونصب هذه الجبال آللّٰه ارسلك ؟قال نعم قال وزعم رسولك ان علينا خمس صلوات فى يومنا وليلتنا قال صدق قال فبالذى ارسلك آللّٰه امرك بهذا قال نعم قال وزعم رسولك ان علينا زكوٰة فى اموالنا قال صدق قال فبالذى ارسلك آللّٰه امرك بهذا ؟قال نعم قال وزعم رسولك ان علينا صوم شهر رمضان فى سنتنا قال صدق قال فبالذى ارسلك آللّٰه امرك بهذا ؟قال نعم قال وزعم رسولك ان علينا حج البيت من استطاع اليه سبيلا قال صدق قال ثم ولى وقال والذى بعثك بالحق لا ازيد عليهن ولا انقص منهن فقال النبى ﷺلئن صدق ليدخلن الجنة(رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں تو ان ہی ایام میں ایک بدوی خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے



محمد تمہارا قاصد یا مبلغ ہمارے پاس پہنچا تھا اس نے ہم سے بیان کیا کہ تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے تم کے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے تم سے ٹھیک کہا۔ اس کے بعد اس بدوی نے کہا تو بتلاؤ کہ آسمان کس نے بنایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے پھر اس نے کہا زمین کس نے بنائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اس نے کہا زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کئے ہیں اور ان پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ نے اس کے بعد اس بدوی سائل نے آپ سے کہا پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان بنایا زمین بنائی اور اس پر پہاڑ نصب کئے کیا اللہ ہی نے تم کو بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا بے شک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے پھر اس نے کہا تمہارے اس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی اس نے تم سے ٹھیک کہا اس بدوی نے کہا تو قسم آپ کے بھیجنے والے کی کیا اللہ نے ہی آپ کو ان نمازوں کا بھی حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ اللہ ہی کا حکم ہے پھر بدوی نے کہا اور آپ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ ہمارے مالوں میں زکوۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا یہ بھی اس نے تم سے سچ کہا اعرابی نے کہا تو قسم ہے آپ کو بھیجنے والے کی کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے پھر اس اعرابی نے کہا کہ آپ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں آپ نے فرمایا یہ بھی اس نے سچ کہا اعرابی نے عرض کیا تو قسم آپ کے بھیجنے والے کی کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے اس کے بعد اعرابی نے کہا اور آپ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ ہم میں سے جو حج کے لئے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی اس نے سچ کہا (راوی کا بیان ہے کہ) یہ سوال وجواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا اور چلتے ہوئے اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ صادق ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔(۷۶)

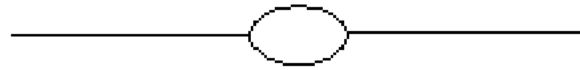


مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا ایک موقع پر ایک تحصیلدار صاحب جو ایک تقریب میں علماء پر اعتراض کر رہے تھے ہمارے خاندانی بزرگوں کے مہمان تھے اور مجھ سے تعارف نہ رکھتے تھے کہنے لگے مولویوں نے قوم کو تباہ کر دیا ہے تعلیم انگریزی سے روکتے ہیں میں بھی ایک کنارے پر بیٹھا سن رہا تھا میری عمر لڑکپن کی تھی بہت دیر تک خاموش رہا جب وہ بہت زیادتی کرنے لگے تب میں نے کہا جناب یہ مسئلہ تو دوسرا ہے کہ یہ تعلیم جائز ہے یا نہیں اس وقت صرف یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ انگریزی نہ پڑھنا جس کو آپ مولویوں پر لگا رہے ہیں آیا مولویوں کی طرف اس کا منسوب کرنا غلط ہے یا صحیح سو حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذمہ دار خود قوم ہے کیونکہ قوم کے تکاسل سے یہ دوسری قوموں سے تعلیم میں پیچھے رہ گئی ہے یہ مولویوں کا اثر نہیں ورنہ مولوی تو یہ بھی کہتے ہیں انگریزی نہ پڑھو عربی پڑھو انگریزی کا ترک مولویوں کے کہنے سے کرتے تو عربی بھی ضرور پڑھتے اب بتلاؤ عربی کتنے لوگ پڑھتے ہیں بس دنیا بھر میں جو نقص واقع ہو اس کے ذمہ دار غریب مولوی ہی بنائے جاتے ہیں جیسا کہ کسی سرائے میں ایک بھٹیاری روٹیاں پکاتی پکاتی آٹا یا روٹیاں چرا لیا کرتی تھی ایک پولیس کا شخص آیا اس نے آٹا پکانے کو دیا اور خوب ہشیاری سے دیکھتا رہا کہ وہ روٹیاں یا آٹا نہ چرا سکے بھٹیاری کو خیال رہا کہ داؤ نہیں لگنے پایا آخر جب وہ روٹیاں کھانے بیٹھا تو بھٹیاری نے اپنے لڑکے کو کہا کہ تو بھی میاں کے ساتھ بیٹھ جا چنانچہ لڑکا بھی سپاہی کے ہمراہ کھانے لگا اس نے مروت کی وجہ سے نہ روکا مگر اس کو احساس ہو گیا کہ اس نے چالاکی کی ہے اسی اثنا میں بھٹیاری کی ریح خارج ہو گئی بہت شرمسار ہوئی مگر اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے کہ مجھ سے ریح کا صدور ہوا ہے اس نے لڑکے کے سر پر ایک چپت رسید کیا اور کہا دور موئے یہ کیا کر رہا ہے مگر وہ پولیس آدمی سمجھ گیا اس نے قصداً ریح خارج کر کے فوراً لڑکے کو ایک چپت لگایا اور کہا سسرے کریگا کوئی مگر

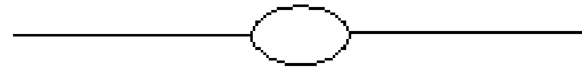


بچے گا تو ہی بس یہی حال قوم کا ہے جب کوئی کام بگڑتا ہے فوراً طعن اور ملامت کی زبان مولویوں پر دراز کی جاتی ہے۔

O ایک صاحب علم نے خط میں لکھا کہ اس وقت میں آپ کو قطب الارشاد سمجھتا ہوں اگر میرا یہ عقیدہ غلط ہے تو ظاہر فرما دیا جاوے اور اس کے ساتھ ہی قطب الارشاد کے علامات بھی فرما دیے جاویں فرمایا قطب الارشاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے قطب الارشاد ہونے کو بھی جانے رہیں علامات سو وہ بھی ظنی ہوتے ہیں اور اس جواب میں نہ تو میں تواضع کرتا ہوں اور نہ تکبر اگر حق تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت عنایت فرماوے تو انکار کیوں کرے کاتب الحروف کہتا ہے کہ اگر خود حضور کو اپنے قطب الارشاد نہ ہونے کا علم ہوتا تو فوراً ظاہر فرما دیتے کہ میں قطب الارشاد نہیں ہوں جیسا کہ اسی سائل کے ایک دوسرے خط کے جواب میں جبکہ انہوں نے آپ سے آپ کے صاحب کشف ہونے کے متعلق لکھا تو حلف سے فرمایا تھا کہ میں صاحب کشف نہیں تو یہ احتمالاً آپ کے قطب الارشاد ہونے کی دلیل ہے۔

O فرمایا خشوع کے لئے عمل کی ابتدا میں توجہ کافی ہے ہر ہر لفظ پر ضرور نہیں مثلاً قرآن شریف کی تلاوت سے پہلے یہ خیال کرے کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے تلاوت کرتا ہوں یہ کافی ہے ہر ہر حرف پر ایسی توجہ ضروری نہیں کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے مگر اس میں یہ قید بھی ہے کہ جب تک اس کی متضاد توجہ متحقق نہ ہو اس وقت تک اسی پہلی توجہ کو حکماً باقی سمجھا جائے گا جیسا انسان چلنے سے پہلے یہ ارادہ دل میں کرلے کہ جامع مسجد کی طرف چلتا ہوں بس اتنا کافی ہے ہر ہر قدم یہ ارادہ ضروری نہیں ورنہ چلنا ہی دشوار ہو جائے گا ہاں اگر کسی دوسری طرف ایسی توجہ جو اس پہلی توجہ کی متضاد ہو پائی جاوے تو پھر پہلی توجہ معدوم ہو جائے گی۔

O کسی نے خط میں لکھا کہ اگر آپ کی صورت کا تصور کرلوں تو نماز میں جی لگتا ہے فرمایا جائز ہے دو شرط سے ایک یہ کہ اعتقاد میں مجھے حاضر ناظر نہ سمجھے دوسری شرط یہ کہ اس کی کسی کو اطلاع نہ دے یہ تصور خطرات کے علاج کے درجہ میں ہے کیونکہ یہ بھی توجہ الی اللہ ہونے کا ایک ذریعہ ہے اس سے توجہ اور یکسوئی الی اللہ ہوگی پس مقصود کا مقدمہ ہے خود مقصود نہیں۔



فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: کیف الطریق الی الخلاص من سیطرۃ حبّ الدنیا علی القلب اذانی فی الصلوۃ تراودنی وساوس کثیرۃ (ترجمہ) حب دنیا سے چھٹکارے کا کیا طریقہ ہے اور یہ کہ دوران نماز وساوس کثرت سے آتے ہیں۔

ارشاد: علاج حبّ الدنیا استحضار فنائھاوبقاء الاٰخرۃ،وکثرۃ الوساوس لایضرّ اذا لم تکن عملاً وّ قصدًا لانّ الانسان لایکلّف الابمافی وسعہ (ترجمہ از مرتب) حب دنیا سے چھٹکارے کا علاج فناء دنیا اور بقاء آخرت کا استحضار ہے، باقی کثرت وساوس مضر نہیں جبکہ قصداً ان کو نہ لایا جائے ،قصداً سوچنا مضر ہے، بلا قصد جو وسوسہ دل میں آئے وہ اختیاری نہیں ہے اور غیر اختیاری کا انسان مکلّف نہیں ہے۔

حال: مجھے صاف اور اچھے کپڑے پہننا اچھا لگتا ہے۔

ارشاد: لاحرج فیہ ان کان لاعلی وجہ التکبّر (ترجمہ از مرتب) کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ تکبر نہ ہو۔

حال: مجھے وساوس آتے ہیں اس کا علاج کیا ہے۔

ارشاد: لاحول ولاقوۃ کا ورد زیادہ رکھیں۔

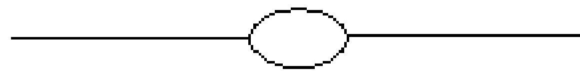
حال: انسان کیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت رکھے۔

ارشاد: ہمت اور دعا توفیق سے۔

حال: جب ذکر اللہ کرتی ہوں تو کچھ صفاء القلب محسوس کرتی ہوں۔

ارشاد: یہ ذکر اللہ کی برکت ہے۔

حال: لیکن جب دنیاوی کاموں میں مشغول ہوتی ہوں تو وہ صفاء زائل ہو جاتا ہے۔



ارشاد: زائل نہیں ہوتا دب جاتا ہے محسوس نہیں ہوتا۔

حال: مجھے غصہ جلدی آجاتا ہے اس کا علاج کیا ہے۔

ارشاد: اعوذباللّٰہ کی کثرت۔

حال: کیا جو آیات قرآنیہ یاد کی ہیں انہیں یاد رکھنا واجب ہے اور بھولنا گناہ ہے۔

ارشاد: خود بخود بھولنا گناہ نہیں ہے کہ بے اختیاری ہے البتہ یاد رکھنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے

حال: مجھے زیادہ ذکر الموت نہیں آتا دعا فرمائیں کہ ذکر الموت میرے قلب میں راسخ ہوجائے۔

ارشاد: کلّ نفس ذائقة الموت اور اینما تکونوا یدرکّم الموت ولو کنتم فی بروج مّشیّدة جیسی آیات جن میں موت کا تذکرہ ہے ان پر توجہ رہے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے ورد سے رسوخ فی القلب حاصل ہوجائے گا۔

حال: میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھیں اور میری اصلاح کامل فرمائیں اور ہر قسم کے شر و فتنہ سے بچائیں اور بغیر حساب کے جنۃ الفردوس میں داخل فرمائیں۔

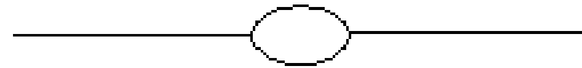
ارشاد: دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر قائم رکھیں نماز میں اهدنا الصراط المستقیم بہت زیادہ توجہ سے پڑھا کریں اور ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین کا ورد بھی رکھیں بغیر تعداد۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر و فتن سے محفوظ رکھیں آمین اللّٰھم ادخلنا جنّة الفردوس بغیر حساب۔

حال: فی الاجازة تضیع کثیر من الاوقات فی الفضول ،وفی الاشتغال احیانًا قد اترك بعض الاوراد والادعیة فهل فی ذالك نقص الایمان۔

ارشاد: لانقص فی الاشتغال احیانابعض الاوراد والادعیة۔

حال: یغنني احیاناالتفکرفی حالي وکثرة تفریطي وغفلتي ،فاعزم علی اصلاح النفس فماتلبث نفسي ان تسوف بالمجاهدة ۔

ارشاد: فهذاالنعم والتفکر فی الحال یصلح حالك وبارك ان شاء اللّٰه ویکون سببالاصلاح النفس والقلب۔



فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

العلم والعلماء عند السلاطین والامراء

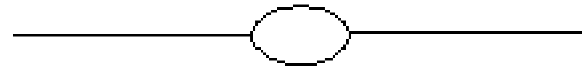
علم اور علماء کی عزت سلاطین وامرا کی نظر میں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

ذیل میں چند تاریخی واقعات درج کئے جاتے ہیں ان سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ اگلے زمانہ کے مسلمان سلاطین اور امرا کی نظر میں علم دین اور علماء دین کی کس قدر عظمت و عزت تھی علم دین کی رفعت وعظمت کے سامنے وہ اپنی حکومت وامارت اور شان وشوکت کو کتنا ہیچ اور بے حقیقت سمجھتے تھے۔ شاید دور حاضر کے مسلم حکام اور امراء کے لئے ان واقعات میں کچھ سبق اور عبرت کا سامان ہو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(۱) خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میری جائے قیام پر امین ومامون شاہزادگان کو درس حدیث کی عزت بخشیں امام بکراہیت درو ے نگریست امام نے ناگواری سے دیکھا اور فرمایا: یاامیر المؤمنین لاتضع فی عزۃ شیء رفعہ اللّٰہ العلم یؤتی ولا یأتی ۔ اے بادشاہ جس چیز کی عزت کو خدا نے رفیع اور بلند کیا ہو اس کو پست مت کر علم کے پاس طالب پہونچتا ہے علم طالب کے پاس نہیں جاتا۔ خلیفہ کو اپنی فروگذاشت اور غلطی کا احساس ہوا اور ندامت سے بولا: صدقت ایہا الشیخ کان ھذاھفوۃ منی فاسترھا علی۔ اے استاذ یہ صحیح ہے حقیقۃً مجھ سے لغزش ہوئی معاف فرمایئے۔ چنانچہ آپ کے ہدایت کدہ میں امین ومامون دونوں شہزادے حاضر ہوتے تھے اور بلا امتیاز غرباء کے حلقہ میں جس جگہ بھی جگہ مل جاتی بیٹھ کر فیوض وبرکات حاصل کرتے اور علم دین سماعت کرتے تھے۔

(۲) ایک دن امیر المؤمنین ہارون رشید دور سے اپنے فرزندوں امین ومامون کی طرف دیکھ رہا تھا، دونوں بھائی مدرسہ میں امام کسائی سے سبق پڑھ رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد امام کسائی کسی ضرورت سے اٹھے اور باہر جانے لگے تو امین ومامون نے دوڑ کر استاد کے جوتے



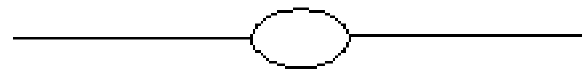
اٹھا لئے اور ان کے قریب لاکر رکھ دیے یہ دیکھ کر ہارون رشید کو تعجب ہوا ایک خادم سے پوچھا بتاوہ کون شخص ہے جس کے خدمتگار دنیا کے بڑے بڑے آدمی ہیں، اس نے کہا آپ، ہارون نے کہا نہیں، امام کسائی ہے جس کے علم وفضل کی وجہ سے امین و مامون اس کی خدمت کرتے ہیں۔

(۳) خلیفہ ہارون رشید نے اپنے لڑکے کو علم وادب کی تعلیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا، ایک دن اتفاقاً ہارون وہاں جا پہنچا، دیکھا کہ امام اصمعی پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے، ہارون نے بڑی برہمی سے فرمایا کہ میں نے تو اس کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اس کو ادب سکھلائیں گے، آپ نے شاہزادہ کو یہ حکم کیوں نہ دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی گرائے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پیر دھوئے۔

(۴) ایک شخص نے خلیفہ منصور سے دریافت کیا کہ واہب العطایا نے دین ودنیا کی ساری نعمتیں امیر المؤمنین کو عطا فرمائی ہیں، کیا آپ کی کوئی ایسی تمنا اور آرزو بھی ہے جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو منصور نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا ہاں صرف ایک تمنا باقی ہے جو آج تک پوری نہیں ہوئی، اور وہ تمنا یہ ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوتا اور اصحاب حدیث میرے اردگرد بیٹھے نظر آتے۔

(۵) ہارون رشید کے زمانہ میں شعبہ عدالت بالکل اہل دین کے ہاتھ میں تھا، حضرت امام ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قاضیوں کا تقرر خلیفہ نہیں کرتا تھا بلکہ قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں تھا، امام ابو یوسف کے اتنے بلند اعزاز کی وجہ سے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو ہارون رشید نے کہا میں نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا، علم کے جس باب میں ابو یوسف کو جانچا گیا کامل پایا، اعلیٰ امتیاز کے ساتھ ابو یوسف کا قدم دین کے ہر معاملہ میں استوار رہے۔ ابو یوسف کا دین آلودگیوں سے پاک ہے ابو یوسف جیسا کوئی آدمی ہو تو لاؤ۔

(۶) ایک بار دربار میں شاہِ ہند اکبر شاہ زعفرانی رنگ کے رنگے ہوئے کپڑے پہن کر آیا تو شیخ عبدالغنی صاحب (نبیرہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی) خلاف شرع لباس کو دیکھ کر غصہ سے بیتاب ہوگئے اور شدت تاکید کے جوش وخروش سے ظاہر کیا کہ عصا کا سرا بادشاہ کے جامہ کو جالگا، اکبر کو غصہ تو آیا مگر خاموش رہا، حرم سرا میں جا کر والدہ سے شکایت کی والدہ نے کہا یہ



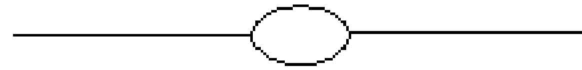
تمہارے لئے نجات کا باعث ہے، تاریخوں میں لکھا جائے گا کہ ایک عالم شرع اور پیر مفلوک نے شہنشاہ ہند کو عصا مارا اور اس نے شرع کے احترام میں برداشت کیا۔

(۷) مولوی انصاری روم کے اجل علماء اور بہت بڑے قاضیوں میں تھے، ایک دن کسی معاملہ میں سلطان روم بایزیدان کی عدالت میں ان کے سامنے بحیثیت گواہ پیش ہوئے، مولوی انصاری نے ان کی شہادت کو رد کردیا کہ میں تمہاری شہادت اس لئے نہیں لوں گا کہ تم تارک جماعت ہو، اس کا سلطان پر اتنا اثر ہوا کہ قصر کے سامنے ہی ایک مسجد بنوائی اور پھر کبھی جماعت ترک نہیں کی۔

(۸) ایک دن حاکم روہیل کھنڈ کے نواب زادہ نواب سعد اللہ خان نے حجام کو بلا کر حجامت بنوائی شروع کی تو نواب زادہ نے داڑھی کترنے کا حکم دیا تو مولانا مفتی عبدالغنی صاحب نے جو اتفاقاً نزدیک ہی بیٹھے تھے، ایک طمانچہ حجام کو اس طرح رسید کیا اس کا اثر نواب زادہ کے چہرہ تک پہنچا، نواب زادہ کو غصہ آیا مگر خاموش رہا۔

(۹) ملا ارادت المعروف ملا شاہی ملک افغانستان میں بعہد سلطنت احمد شاہ درانی ایک نامور عالم حقانی گذرے ہیں، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ احمد شاہ درانی نے اپنے دربار میں محفل رقص وسرور منعقد کی اور ملا ارادت کو بھی بلوا بھیجا، مولانا نے تشریف لاکر جب سماں دیکھا تو غضبناک ہوکر برسر دربار بادشاہ کو مخاطب کیا، اے احمد شاہ تو جس کی امت میں اپنے کو شمار کرتا ہے کیا اس نے کبھی یہ کام کیا ہے، اپنے نام کی لاج رکھ، بادشاہ نے کہا اس میں حرج ہی کیا ہے، ملا ارادت نے غضب میں ہمت اور دلیری سے فرمایا، احمد شاہ جس چیز کو اسلام نے حرام کیا ہے تو اسے حلال کررہا ہے، تیری یہ حرکت کفر کے قریب جارہی ہے، یہ کلمہ حق سن کر بادشاہ نے کہا مجھے ایسے غیر مشروع امور سے دلچسپی نہیں اور نہ فرصت یہ صرف علماء اور صلحاء کے تقویٰ کا امتحان تھا، الحمدللہ میرے ملک کے عالی جاہ عالم ربانی کو اس امتحان میں عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی، ملا ارادت نے فرمایا کہ اس دن سے لے کر آئندہ کیلئے مجھے کبھی دربار شاہی میں نہ دیکھو گے۔

(۱۰) مصر کے ایک بہت بڑے عالم یزید بن حبیب جو کہ پہلے ایک غلام تھے مگر علم



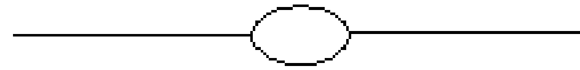
وتقویٰ میں مصر کے امام مانے جاتے تھے وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو مصر کا گورنر جوثرہ بن سہیل عیادت کیلئے حاضر ہوا۔

(۱۱) دولت آباد کے ملک الشعراء قاضی شہاب الدین ایک دفعہ بیمار ہوئے اور ان کی تندرستی کی توقعات کم ہوگئیں جب سلطان ابراہیم شرقی کو ان کی اس خطرناک بیماری کا علم ہوا تو وہ خود ان کی بیمار پرسی کیلئے آیا اور ایک پیالہ پانی کا بھر کر ان کے سر پر پھراتے ہوئے کہا اے اللہ! ان کے بدلے میں میری جان قبول کرلے۔

(۱۲) تغلق خاندان کے بادشاہ محمد تغلق کو جب یہ معلوم ہوا کہ شیراز کے عالم بے بدل علم کلام کی بنیادی کتاب مواقف کے مصنف قاضی عضدالدین جامع عالم باکمال ہیں تو محمد تغلق نے معین الدین کو قاضی صاحب کی خدمت میں بھیج کر یہ درخواست کی کہ وہ ہندوستان تشریف لے آئیں مگر جب شیراز کے والی ابواسحاق کو معلوم ہوا تو خود حاضر خدمت ہوا اور یہ کہا کہ آپ اگر چاہیں تو شیراز کی حکومت آپ کے حوالہ کرتا ہوں مگر آپ شیراز نہ چھوڑیں، چنانچہ آپ نے درخواست قبول کرلی۔

(۱۳) ابراہیم بن اسحٰق الحربی امام احمد بن حنبل کے عزیزترین شاگرد ہونے کے علاوہ زاہد و عارف تھے، ان کے متعلق معجم الادباء میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل بن اسحٰق القاضی ابراہم سے ملاقات کی خاص تمنا و آرزو رکھتے تھے اور صدق دل سے کام لیتے ہوئے محل کے دروازوں سے حاجبوں کو ہٹادیا، ابراہیم پہنچے اور جوتا اتار کر آگے بڑھے، قاضی نے حسن عقیدت اور اخلاص سے ان کے جوتے اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ کر خود اٹھا لئے، ابراہیم کچھ دیر بیٹھ کر جانے کیلئے اٹھے تو اپنا جوتا تلاش کیا، قاضی نے اپنی آستین سے نکال کر سامنے رکھ دیا، ابراہیم نے دیکھ کر کہا: غفر اللہ لك كما اكرمت العلم قاضی کے انتقال کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کس حال میں ہو جواب دیا: اجيبت لي دعوة ابراهيم الحربي ابراہیم کی دعاء مغفرت قبول کرلی گئی۔

(۱۴) ایک رات تنہا ایک غلام کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کہیں سے آرہا تھا اور غلام

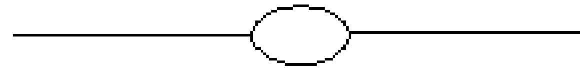


طلائی شمعدان میں شمع رکھے ہوئے راستہ دکھاتا تھا، غزنوی کی نظر اچانک ایک غریب ونادار طالب علم پر پڑی جو مدرسہ کے صحن میں طالب علموں کے ایک ہجوم کو تکرار کرانے میں مشغول تھا اور چراغ کے نہ ہونے کی وجہ سے جب کبھی عبارت پر نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس کرتا تو تیزی سے اٹھتا اور بقال کی دوکان پر جو چراغ روشن تھا اس کی روشنی پر کتاب کو دیکھ کر واپس آتا، غزنوی کا رقت انگیز قلب طالب علم کی اس جدوجہد پر متاثر ہوا اور وہ طلائی شمعدان شمع کے ساتھ طالب علموں کے اس قلاش وبے نوا ہجوم کو بخش دیا، اسی شب میں تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یاابن امیر ناصر الدین سبکتگین اعزك اللّٰه في الدارین کما اعززت ورثتي۔ اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہاں میں باعزت رکھے جیسا کہ تو نے میرے وارثوں (یعنی طالب علموں) کی عزت کی ہے۔

....

دعاءِ مغفرت کی درخواست

قاری سعید احمد اسعد کے والد ماجد اور قاری علیم الدین مہتمم مدرسہ قاسم العلوم جھنگ انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور قارئین ''الحقانیہ'' سے بھی دعاءِ مغفرت کی درخواست ہے۔

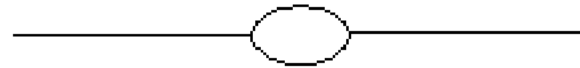


حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مسلک دیوبند کسی فرقے کا نہیں اتباع سنت کا نام ہے

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد: اللہ رب العالمین کا شکر ادا نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے ہمیں اس تعلیمی سال کے اختتام پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی اور ملک کے بہت ہی ناسازگار حالات کے باوجود تمام اسباق اور بخاری شریف جیسی عظیم الشان کتاب بھی مکمل کروادی۔

آپ نے آج اس تعلیمی سال کا آخری درس حدیث سنا، عام طور سے ہمارے ہاں ختم بخاری کا اگر چہ پہلے سے اعلان واشتہار کبھی نہیں ہوتا مگر لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے بہت بڑا اجتماع ہوا کرتا ہے، لیکن اس مرتبہ ہم نے اس کا اہتمام کیا کہ ختم بخاری کی یہ مجلس کسی تقریب کی شکل اختیار نہ کرنے پائے، کیونکہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی سادگی کے ساتھ کرتے دیکھا ہے اور بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ ختم بخاری کے موقع پر مانگی جانے والی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاص طور پر قبول فرما لیتے ہیں، اس لئے ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی دارالعلوم میں ختم بخاری کے موقع پر دعا کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے، البتہ اس کیلئے نہ تو کوئی اعلان ہوتا تھا اور نہ اس کیلئے کسی بڑی تقریب کا انداز اختیار کیا جاتا تھا، خاص خاص لوگ پوچھتے تھے کہ ختم بخاری کا دن کون سا ہے، ان کو بتلادیا جاتا تھا کہ فلاں دن ہے، جن کو شوق ہوتا تھا وہ شرکت کرلیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ختم بخاری کی یہ مجلس ایک بڑی تقریب کی صورت اختیار کرتی چلی گئی، اور طرح طرح کی دعوتوں اور ضیافتوں کا دن بن گئی اور پھر اس کی کیفیت یہ ہوگئی کہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں یہ کسی ''میلے'' کی صورت اختیار نہ کرلے اور یہ خوف ہونے لگا کہ اگر اس کو مزید جاری رکھا گیا تو یہ خدانخواستہ ایک مستقل بدعت کی شکل اختیار نہ کر جائے، کیونکہ جتنی بدعتیں ہوتی ہیں ابتدا میں وہ نیک کام ہوتے ہیں پھر عوام ان کو لازمی یا سنت سے صراحۃً ثابت شدہ سمجھ کر ان کی پابندی کرنے لگتے ہیں اور جو لوگ پابندی نہیں کرتے ان پر اعتراض کرنے لگتے ہیں ، تو ختم بخاری کے اندر بھی خیال ہوا کہ شاید کچھ کچھ ایسا ہی ہونے لگا ہے حتی کہ اس کے ترک پر تعجب کیا جانے



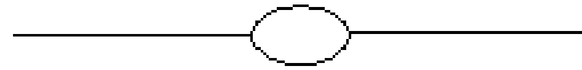
لگا اور رفتہ رفتہ اس کو ایسا عمل سمجھا جانے لگا کویا کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔

پھر ختم بخاری کی تقریب میں یہ بھی ہونے لگا کہ جو طالبعلم دورۂ حدیث سے فارغ ہو رہا ہوتا اور اس کے پاس کچھ مالی وسعت بھی ہوتی تو وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو ختم بخاری کی تقریب میں شرکت کی دعوت دیتا اور یہ مہمان بھی ایک دو نہیں دو سو تین سو مہمان مختلف شہروں اور دیہاتوں سے سفر کر کے آتے ، اور ان کو ٹھہرانے کیلئے آس پاس کے علاقوں میں جگہیں تلاش کی جاتیں، ان کے کھانے کیلئے دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ، دیگیں اتروائی جاتیں اور خوب عظیم الشان ضیافت کا اہتمام ہوتا۔ لیکن وہ طلبہ جو مالی استطاعت نہیں رکھتے تھے اور ایسی دعوتوں کا انتظام ان کے بس سے باہر تھا ان کے دلوں میں احساس محرومی پیدا ہوتا تھا کہ دوسرے طلبا کی دستار بندی کو دیکھنے کیلئے اتنے مہمان آرہے ہیں، لیکن ہماری دستار بندی دیکھنے کیلئے کوئی بھی نہیں آرہا۔ پھر بعض جگہوں پر یہ بھی ہونے لگا کہ مسجد میں ختم بخاری ہو رہا ہے اور باہر صحن یا اس سے ملحقہ جگہوں پر لوگ آپس میں ہنسی مذاق اور گپ شپ کر رہے ہیں، تو ختم بخاری کا جو مقصد تھا کہ درس حدیث سنیں تا کہ نصیحت حاصل ہو اور اس بابرکت موقع پر دعائیں مانگیں، وہ فوت ہونے لگا اور پیسے کا ضیاع ہونے لگا، اس لئے پچھلے دو تین سالوں سے یہ کوشش کی گئی کہ جتنا اس کو کم کیا جا سکتا ہو کم کیا جائے۔

الحمدللہ! ہم نہ تو اعلان کرتے ہیں اور نہ ہی دعوت نامے جاری کرتے ہیں، لیکن چونکہ تاریخ پہلے سے طے ہو جاتی ہے اس لئے لوگ ایک دوسرے کو سینہ بہ سینہ اور اب تو موبائل ٹو موبائل بتلا دیتے ہیں اور خبر پورے شہر اور ملک میں پھیل جاتی ہے، اس دفعہ ہم نے ختم بخاری کی تاریخ کو صیغہ راز میں رکھا اور آج صبح نو بجے تک اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

ختم بخاری خوشی اور غمی کا دن ہے

ختم بخاری کا دن بہت خوشی کا دن ہوتا ہے، اس لئے کہ اس دن ہمارا تعلیمی سال پورا ہوتا ہے اور طالبعلمی کا زمانہ جو کہ پڑھنے کا شوق رکھنے والے طالبعلموں کیلئے مجاہدں سے بھرپور ہوتا ہے، خاص طور سے دورۂ حدیث کے طالب علم تو دن رات اسباق میں مصروف رہتے ہیں، ان کو اس سال خاص طور سے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اس مجاہدوں والے سال کا بھی ختم بخاری



کے دن اختتام ہوجاتا ہے۔کل ہی ایک طالب علم کہہ رہے تھے اوران کی آنکھوں میں آنسو تھے کہ یہ موقع خوشی کا تو ہوتا ہی ہے لیکن غم بھی ہوتا ہے کیونکہ سارا سال ہم ایک کلاس میں جمع ہوتے ہیں اور ختم بخاری تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اوراس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

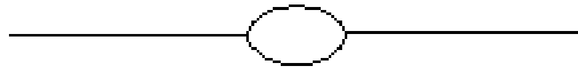
اس طالبعلم نے بالکل سچی بات کہی کہ یہ موقع خوشی کا بھی ہوتا ہے اورغم کا بھی، طلبہ کو اساتذہ، اپنے ساتھی طلبا اور مادرعلمی سے فراق کا غم ہوتا ہے اورتعلیم سے فراغت کی خوشی ہوتی ہے میں نے اس طالبعلم سے عرض کیا کہ دنیا تو نام ہی خوشی اور غمی کے مجموعے کا ہے۔طالبعلم کو یہ صورت حال صرف ایک سال ختم بخاری کے موقع پر پیش آتی ہے لیکن ہمیں اور دیگر اساتذہ کو ہر سال یہ کیفیت پیش آتی ہے کہ ہمارے ہونہار طلبا جو تعلیم کے دوران ہمارے بیٹوں کی طرح ہوجاتے ہیں اوران سے بے پناہ محبت ہوجاتی ہے اوران کو بھی اپنے اساتذہ سے بے پناہ محبت بلکہ عشق ہوجاتا ہے، وہ اس مبارک دن میں ہم سے جدا ہوجاتے ہیں ،تو ہمیں اس کیفیت سے ہر سال واسطہ پڑتا ہے،خدا کرے آپ کو بھی یہ خوشی اور غمی ہر سال ملا کرے آمین۔

دورۂ حدیث کے طلبا مبارک باد کے مستحق ہیں

ہمارے پاس ہر سال دورۂ حدیث کی جماعتیں پڑھتی ہیں، کسی سال استعداد کے اعتبار سے بہت اچھی جماعت آتی ہے کسی سال نسبۃً کچھ کم درجے کی ہوتی ہے۔الحمدللہ! اس سال جماعت استعداد کے اعتبار سے محنت اور ذوق وشوق کے اعتبار سے اوراخلاقی ودینی اعتبار سے ممتاز جماعت تھی، یہ بات آپ کیلئے قابل مبارک باد ہے کہ آپ اپنے اساتذہ سے اپنے بارے میں اچھا گمان لے کر فارغ التحصیل ہو رہے ہیں۔

ہماری آدھی صدی طلبا کی خدمت کرتے ہوئے گذری ہے

آپ امتحان سے فارغ ہوکر اپنے گھروں کو جائیں گے، آپ رخصت ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو شادو آباد رکھے اور آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے آمین، آپ حضرات ہمارا مستقبل اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، الحمدللہ آج ہمیں تدریس کرتے ہوئے شمسی سال کے حساب سے انچاس سال ہوچکے ہیں، یعنی تقریباً آدھی صدی عیسوی پوری ہورہی ہے، اور

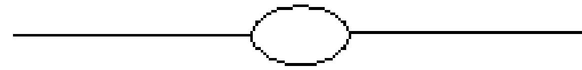


قمری سال کے حساب سے ساڑھے پچاس سال ہو چکے ہیں، یعنی آدھی صدی سے زیادہ، ہماری یہ نصف صدی طلبا کی خدمت کرتے ہوئے گذری ہے، کیونکہ ہم نے ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء میں اپنی تدریس کا آغاز کیا تھا، اس تمام عرصے میں ہماری کوششوں کا مرکز اور محور طلبا ہی رہے ہیں کہ ان میں علمی استعداد پیدا ہو جائے، ان کو سنت پر عمل کرنے کی عادت پڑ جائے، یہ امت کی قیادت کرنے والے عالم باعمل پیشوا بن جائیں، ہماری اس نیت کے اندر اگر کوئی کھوٹ شامل ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرماویں، اللھم انا نستغفرك لكل خير عمل اردنابه وجهك فخالطنا فيه ماليس لك ،خلاصہ یہ کہ آپ اور پچھلے تقریباً پچاس برسوں میں فارغ التحصیل ہونے والے تمام طلبہ ہماری تقریباً اکیاون سال کی کمائی ہیں۔ آپ اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کے اساتذہ نے بڑی تمناؤں سے آپ کو یہاں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، آپ نے اتنی بات ضرور دیکھی ہوگی کہ آپ کے اساتذہ آپ حضرات کی خاطر اپنے دن رات کو قربان کر دیتے ہیں، راحت و آرام کو تج دیتے ہیں اور اپنے تفریحی مشاغل کو آپ کی تعلیمی ترقی کیلئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اساتذہ کی آپ کیلئے یہ قربانیاں نفع بخش ہوں اور آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ ان کیلئے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنا دے آمین۔

ہمارے اکابر نے فرقہ بندیوں کو کبھی پسند نہیں فرمایا

کئی سالوں سے صورتحال کچھ اس طرح بن گئی ہے کہ پورے ملک میں طرح طرح کے فرقے اور گروہ پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور دن بدن بڑھتے ہی جا رہے ہیں، جماعت ایک ہوتی ہے لیکن اس میں دو گروپ بن جاتے ہیں، پھر دوسرے گروپ کے بھی دو گروپ ہو جاتے ہیں ایک جماعت میں کئی جماعتیں اور گروپ جنم لے لیتے ہیں، پورے ملک میں بڑے پیمانے پر پھوٹ در پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور کثرت سے دیوبندی، بریلوی کا لفظ سنائی دیتا ہے جو فرقہ بندی کی علامت ہے اور بہت افسوس ناک ہے، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ ہمارے طلبا جو اب علما بنتے جا رہے ہیں رفتہ رفتہ حالات سے متاثر ہو کر کہیں مسلک دیوبند سے دور نہیں ہوتے جا رہے؟

ہمیں اس بات پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نام تو مسلک



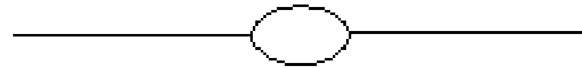
دیوبند کا ہی لیتے ہیں، لیکن کیا ہم خود بھی مسلک دیوبند پر عمل پیرا ہیں یا نہیں؟ مسلک دیوبند کا حال تو یہ رہا ہے کہ انہوں نے کبھی اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ مسلک کے اعتبار سے کسی کو دیوبندی کہہ کر خطاب کیا جائے، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ مسلک دیوبند اور مسلک بریلی کے درمیان کئی اعمال کے بارے میں اختلاف ہے ہم ان اعمال کو بدعت کہتے ہیں، وہ بدعت نہیں کہتے، لیکن اس کے باوجود ہمارے بزرگ فرقہ بندیوں اور گروہ بندیوں سے اتنے دور تھے کہ کبھی انہوں نے اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ مسلک دیوبند کو ایک فرقہ سمجھا جائے اور مسلک بریلوی کو دوسرا فرقہ، ہمارے بزرگوں نے کبھی دیوبندی، بریلوی کا لفظ بھی استعمال کرنا پسند نہیں فرمایا، اگر آج بھی کوئی اس انداز میں بات کرتا ہے تو طبیعت پر ناگوار گذرتا ہے۔

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں ہم سے فرمایا ہے: ھو سمٰکم المسلمین (سورۃ الحج، آیت نمبر ۷۱) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ ہمارا نام نہ دیوبندی ہے نہ بریلوی، نہ شیعہ ہے نہ سنی، نہ مقلد ہے نہ غیر مقلد، بلکہ ہمارا نام مسلم اور مسلمان ہے، ہمارے بزرگوں کو اللہ رب العزت نے کتاب وسنت کا ترجمان بنایا تھا، یہ ترجمانی صرف زبان ہی میں نہیں تھی بلکہ ان کے عمل میں، ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں، ان کے تمام طریقہ کار میں رچی بسی تھی، وہ دیوبندی اور بریلوی کے لفظ کو بالکل بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

والد صاحب نے ہمیں اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھنے سے منع فرمادیا

ہمارے اکابر کو دیوبندی اور بریلوی کے الفاظ کتنے ناپسند تھے اس بات کے اندازے کیلئے ہم آپ کو اپنی مثال دیتے ہیں، ہم دیوبند کے رہنے والے ہیں، ہمارے والد، دادا، پردادا اور ان کے آباء واجداد دیوبند ہی کے رہنے والے تھے نسلوں اور صدیوں سے دیوبند ہمارا وطن چلا آرہا ہے، میں نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی، وہیں پندرہ پارے حفظ کئے، میری عمر کا بارہواں سال تھا جب ہم دیوبند سے ہجرت کرکے کراچی آئے۔

اگر ہم اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھتے تو یہ کوئی بے جا بات تو نہیں تھی، ہم اپنے وطن کی نسبت سے، اپنے آباء واجداد کی نسبت سے، اپنی جائے پیدائش کی نسبت سے، اپنے نام کے



ساتھ دیوبندی لکھ سکتے تھے، چنانچہ پاکستان آنے کے بعد طالبعلمی کے زمانے میں ہم اپنے نام کے ساتھ لکھتے تھے ''محمد رفیع دیوبندی'' اور شوق میں اپنے نام کا لیٹر پیڈ بھی اسی لفظ کے ساتھ چھپوالیا تھا، طالبعلمی کے زمانے میں اپنے دوستوں کو خط لکھا کرتے تھے تو اس پر بھی اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھتے تھے۔ والد صاحب نے طالبعلمی کے زمانے میں اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن جب ہم دارالعلوم میں مدرس بن گئے تو والد صاحب نے ہمیں اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھنے سے منع فرمادیا کہ ''اس سے فرقہ واریت اور گروہ بندی کی بو آتی ہے''۔

یہ وہی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمائی تھی جب ایک مہاجر کا ایک انصاری سے کچھ نزع ہوگیا اور مہاجر نے انصاری کو مارا، تو انصاری نے کہا: یاللانصار اور مہاجر نے کہا: یاللمہاجرین ۔ یعنی انصار نے انصار کو اپنی مدد کیلئے پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اپنی مدد کیلئے پکارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات سنے تو اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا: دعوھا فانھا منتنۃ ۔ یہ کلمات چھوڑ دو، یہ بدبودار ہیں (صحیح بخاری ج ۲ باب قولہ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعزمنہ الاذل ص ۹۲۷)

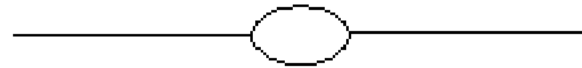
الحمدللہ ہمارے بزرگوں کا خاصہ یہی ہے کہ ان کی تمام باتیں اور نصیحتیں سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں۔

حضرت شیخ الہند کے نام کے ساتھ دیوبندی لکھنے کی وجہ

حضرت شیخ الہند کے نام کے ساتھ دیوبندی اس وجہ سے نہیں لکھا جاتا تھا کہ وہ مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، بلکہ ان کے نام کے ساتھ دیوبندی اس لئے لکھا جاتا تھا کہ وہ رہنے والے دیوبند کے تھے اس لئے ''مولانا دیوبندی'' کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔

مسلک دیوبند کے اندر گروہ بندیاں

افسوس کہ اب تو ہماری المناک صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ مسلک دیوبند کے اندر بھی طرح طرح کی گروہ بندیاں ہماری زبانوں پر آگئی ہیں، ایک انتہائی بدبودار لفظ جس کو سن کر دل لرزتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی روحوں کو اس لفظ سے بہت ایذا پہنچتی ہوگی، وہ ہے



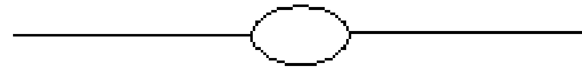
''مدنی گروپ'' اور ''تھانوی گروپ'' یہ ویسے ہی بدبودار الفاظ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دعوھا فانھا منتنۃ ان الفاظ کو چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر یہ نسبتیں ان بزرگوں کے سامنے آتیں تو وہ کبھی ان کو گوارا نہ کرتے اور انتہائی ناراضگی کا اظہار فرماتے، ان بزرگوں کے درمیان اختلاف رائے تو ہوا، لیکن گروپ بندیوں کا خیال بھی ان بزرگوں کے حاشیہ خیال تک میں کبھی نہیں آیا۔

حضرت تھانوی اور حضرت مدنی کے درمیان اختلاف رائے کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور ان کے رفقاء مسلمانوں کی مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ ہندوستان تقسیم نہ ہو، کیونکہ اگر تقسیم کا نعرہ لگایا گیا تو ہوسکتا ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر انگریز اپنے مضبوط پنجے سرزمین ہند پر مزید گاڑ دے اور اس بات کو ہندوستان کی آزادی میں کہیں تاخیر کا بہانہ نہ بنالے کہ آزادی لینے والوں میں اختلاف تھا، ایک پارٹی مسلم لیگ تھی اور ایک پارٹی کانگریس، اس اختلاف کا انگریز فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ہندوستان کی آزادی کو مؤخر کرسکتا ہے۔ اس لئے یہ حضرات مسلمانوں کی مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ تقسیم ہند کا مطالبہ نہ کیا جائے سو فیصد اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ ان کی رائے یہی تھی۔

جبکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے خلفاء اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونی چاہئے اور پاکستان بننا چاہئے، تاکہ مسلمانوں کو یہ موقع مل سکے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے ملک میں اسلامی نظام قائم کرسکیں اور ان کو اس کام سے کوئی حکومت روکنے والی نہ ہو۔ چنانچہ پاکستان بن گیا تو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پاکستان بننے سے پہلے ہمارا اس کے بارے میں اختلاف ایسا ہی تھا جیسے کسی جگہ کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے ہو کہ مسجد یہاں بنی چاہئے اور بعض کی رائے ہو کہ مسجد یہاں نہیں بنی چاہئے، مگر جب مسجد بن جائے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کہ اس کی حفاظت اور احترام تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اسی طرح پاکستان بن

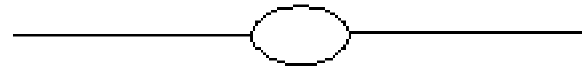


جانے کے بعد اس کی حفاظت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

مجھے یہ روایت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد نے پہنچائی ہے ان کا بیان ہے کہ یہ روایت ان کو حاجی فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی تھی، وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے خود مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان بن جانے کے بعد چھتاول کے ایک جلسہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا اور میں نے یہ پورا بیان وہاں جا کر خود سنا تھا۔نیز مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مقالات ترمذی'' میں نقل کیا ہے کہ: حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ: ''پاکستان اسلامی ریاست کی حیثیت سے معرض وجود میں آ گیا ہے اب یہ مسجد کے درجے میں ہے، اس کی حفاظت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے'' (مقالات ترمذی، مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار کراچی ص ۳۳۳)

نیز کتاب ''شیخ الاسلام حضرت مدنی کے حیرت انگیز واقعات'' میں مولانا افضال الحق قاسمی صاحب کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ: پاکستان بن جانے کے بعد ایک صاحب نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مجلس میں پوچھا کہ حضرت! پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو حسب معمول سنجیدگی اور بشاشت سے فرمایا: ''مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے'' (حیرت انگیز واقعات مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند ص ۱۷۶)

بالکل یہی واقعہ انہی الفاظ میں مولانا افضال الحق صاحب قاسمی نے اپنے ایک مفصل مضمون ''تفردات شیخ الاسلام'' میں بھی نقل فرمایا ہے یہ پورا مضمون جمیعۃ علماء ہند کے ترجمان روزنامہ الجمیعۃ کے خصوصی شمارے شیخ الاسلام نمبر مؤرخہ ۱۵ر فروری ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا ہے۔اسی طرح جب پاکستان کے سب سے پہلے وزیر اعظم شہید ملت نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم راولپنڈی میں شہید کر دیئے گئے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے جناب مولانا سید فرید الوحیدی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ظہر کے بعد کی مجلس میں حضرت سے ان کی شہادت کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''کون جاہل اس میں شک کرتا ہے، بے شک وہ شہید ہوئے



"(حیرت انگیز واقعات ص۱۶۲) تو یہ تھی ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے کی حقیقت۔

جیسے پاکستان کے مسلمان ہوں گے ویسا ہی وہاں کا نظام ہوگا

جالندھر کے جلسے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ پاکستان میں نظام کیسا ہوگا؟ تو والد صاحب نے فرمایا کہ: "جیسے وہاں کے مسلمان ہوں گے ویسا ہی نظام ہوگا، اگر مسلمان اچھے ہوں گے تو نظام اچھا ہوگا اگر مسلمان برے ہوں گے تو نظام برا ہوگا، لیکن اگر وہ اچھا نظام نافذ کرنا چاہیں گے تو ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

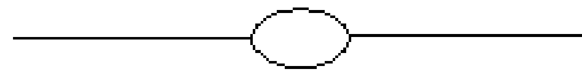
علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء دارالعلوم دیوبند سے کیوں مستعفی ہوئے؟

ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اور ان کے رفقاء کو دارالعلوم دیوبند سے اس وجہ سے مستعفی ہونا پڑا کہ کہیں دو مختلف اور متضاد فتوے جاری ہونے کی وجہ سے دارالعلوم کو کوئی نقصان نہ پہنچے، دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے ایک فتویٰ ایک مضمون کا جائے اور دوسرا فتویٰ دوسرے مضمون کا جائے، جس کی وجہ سے مرکز میں انتشار کا اندیشہ تھا، اس وجہ سے یہ حضرات دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے۔

اختلاف کے باوجود آپس میں اعلیٰ درجے کی محبت و تعظیم

میری عمر تقریباً آٹھ سال ہوگی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اور ان کے رفقاء دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو چکے تھے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب اور ان کے رفقاء دارالعلوم ہی میں تھے۔ جب حکومت انگریز نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو قید کیا تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر بہت دکھ ہوا اور فرمایا: "مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے" (شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۳۰ تالیف مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی (بروایت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) مطبوعہ دیوبند)

جب حضرت مدنی انگریز کی قید سے رہا ہو کر تشریف لائے تو حضرت والد صاحب مجھے اپنے ساتھ لے کر حضرت مدنی کے گھر جو دارالعلوم دیوبند کے احاطے سے متصل تھا، تشریف لے



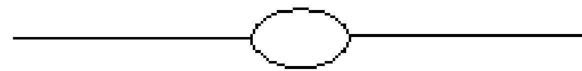
گئے،حضرت والد صاحب نے حضرت مدنی سے ملاقات فرمائی، رہائی کی مبارک باددی اور خوشی کا اظہار فرمایا، مجھے پہلی اور آخری بار حضرت مدنی سے مصافحہ کا شرف اسی وقت حاصل ہوا، اگر چہ حضرت کی زیارت اس کے بعد بھی دیوبند میں کثرت سے ہوتی رہی مگر مصافحہ وہی ایک بار رہوا، آج تک مجھے حضرت کے مبارک ہاتھوں کا گداز یاد ہے اور اب بھی اس مصافحے کی لذت محسوس ہوتی ہے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اوران کے رفقاء پورے ہندوستان میں قیام پاکستان کی موافقت میں دورے کررہے تھے اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحب اوران کے رفقاء پورے ہندوستان میں تقسیم ہند کی مخالفت میں دورے کررہے تھے۔

تو عین اس وقت بھی ان حضرات کے درمیان اعلیٰ درجے کی تعظیم وتکریم تھی ،ان کی باہمی تعظیم وتکریم کے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے کے ہیں، آج اس دورکو دیکھنے والے شاذونادرہی رہ گئے ہیں اوراب ہمارا بھی آخری دور ہے،اس لئے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی نسلوں کیلئے اس امانت کی حفاظت کی خاطر ان واقعات کوتازہ کرتے رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے ہم سے فرمایا کہ:''مجھے مولانا حسین احمدمدنی رحمہ اللہ سے کوئی سبق پڑھنے کی تو نوبت نہیں آئی مگر بلاشبہ وہ میرے اساتذہ کے درجے میں تھے''۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کوعلماء کرام نے بجاطور پر''مجدد الملۃ'' کا خطاب بھی دیا ہے،اس کے بارے میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے جناب مولانا سید فرید الوحیدی صاحب کابیان ہے کہ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیاتو حضرت مدنی نے انتہائی سنجیدگی سے اوروقار کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:'' بے شک وہ مجدد تھے انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی''(شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات ص۱۶۲)

حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان تحریک پاکستان کے سلسلے میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری



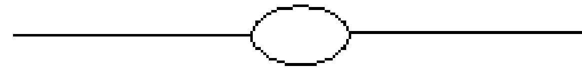
محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ: ''میں مولانا حسین احمد صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں البتہ مجھے ان سے حجت (دلیل) کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ حجت رفع ہوجائے تو میں انکے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کیلئے تیار ہوں'' (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان تعظیم وتکریم اور باہمی محبت وعقیدت کے واقعات کیلئے دو کتابوں کا خاص طور سے مطالعہ کرنا چاہئے ایک شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات (تالیف مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند ضلع سہارن پور) اور دوسری تکملۃ الاعتدال فی مراتب الرجال (تالیف مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدینہ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ)

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کی ہمارے گھر تشریف آوری

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والد صاحب کے وہ استاد ہیں جن سے حضرت والد صاحب نے ابتدائی کتب سے لے کر درجہ علیا تک کی کتابیں پڑھیں تھی اور سب سے زیادہ استفادہ کی نوبت حضرت شیخ الادب صاحب سے ہی آئی تھی، تو جب بزرگوں کے درمیان وہی اختلافی مسئلہ عروج پر تھا اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب اور ان کے رفقاء دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوچکے تھے۔

جمعہ کی نماز کے بعد ہمارے گھر پر ان حضرات کا اجتماع ہوا جو قیام پاکستان کی تحریک چلا رہے تھے، گفتگو کے دوران یہ بات ہوئی کہ فلاں بات معلوم کرنے کیلئے حضرت شیخ الادب کے پاس جانا چاہئے، حضرت شیخ الادب اس اختلافی مسئلے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بالکل ہم نوا تھے اور اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں ہی تھے، حضرت شیخ الادب کا معمول یہ تھا کہ زیادہ تر وقت ان کا مدرسے میں ہی گذرتا تھا، ہر وقت ان کی جان کتابوں میں لگی رہتی تھی، جدید دارالافتاء مسجد کے احاطے میں بنا تھا، اسی میں زیادہ تر ان کی رہائش رہتی تھی۔ اس بات کا بزرگوں کو بھی علم تھا اور مجھے بھی علم تھا، تو ہمارے گھر پر ان حضرات کا حضرت شیخ الادب کے پاس کسی

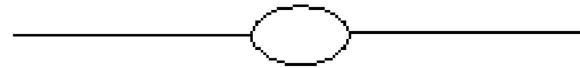


بات کا مشورہ کرنے یا بات پوچھنے کے سلسلے میں جانے کا ارادہ بنا، حضرت والد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ جا کر یہ دیکھ کے آؤ کہ حضرت اپنے کمرے میں موجود ہیں یا نہیں؟ میں چلا گیا، میرا بچپن کا زمانہ تھا، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں حضرت کے دروازے پر دستک دینے کی بجائے آس پاس کے لوگوں سے پوچھ لیتا کہ حضرت موجود ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے دروازے پر دستک دے دی، حضرت آرام فرما رہے ہوں گے لیکن دروازہ کھولا اور کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، میں نے سلام کیا اور کہا کہ حضرت والد صاحب آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں اس لئے مجھے یہ دیکھنے کیلئے بھیجا ہے کہ آپ تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا ''اچھی بات ہے'' اور یہ کہہ کر دروازہ بند کرلیا۔ جب میں والد صاحب کے پاس آنے کیلئے واپس چلا تو راستے میں بچوں کو مختلف کھیل کھیلتے دیکھا، میرا بھی بچپن کا زمانہ تھا میں کبھی ایک کھیل دیکھتا اور کبھی دوسرا، جب واپس گھر پہنچا تو حضرت شیخ الادب کو گھر میں موجود پایا، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اختلاف رائے رکھنے کے باوجود خود اپنے شاگرد کے گھر تشریف لائے اور اس کیلئے اپنے سارے معمولات چھوڑ دیئے۔

ان بزرگوں کا تو یہ حال تھا اور آج ہم ان بزرگوں کے مقدس ناموں کے ساتھ ''مدنی گروپ'' اور ''تھانوی گروپ'' کے گندے الفاظ استعمال کرتے ہیں، میری آپ کو وصیت ہے کہ کبھی ان گندے الفاظ کو اپنی زبانوں پر نہ لائیے گا، ہمارے بزرگوں کی شان میں یہ بدترین گستاخی ہے کہ ان حضرات کو گروپوں اور گروہوں کی طرف منسوب کیا جائے، یہ طریقہ مسلک دیوبند کے خلاف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خود ہی مسلک دیوبند کے خلاف عمل کر بیٹھیں۔

والد صاحب کا ہجرت کے بعد ہندوستان کا سفر

۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء کا زمانہ تھا، ہم دارالعلوم سے فارغ ہو چکے تھے اور تخصص فی الافتاء کے طالبعلم تھے، اس زمانے میں تخصص ایک ہی سال کا ہوتا تھا، تو حضرت والد صاحب تیرہ سال بعد اپنے وطن ہندوستان اپنے رشتے داروں اور عزیزوں سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے، اس وقت حضرت شیخ الادب اور حضرت مدنی قدس اللہ سرہما کی وفات ہوچکی تھی، میں حضرت والد



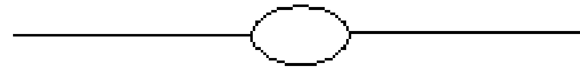
صاحب کے ساتھ تھا، دیوبند پہنچے تو وہاں حضرت والد صاحب کی آمد کی خوشی میں جشن کا سماں تھا، ملک کے مختلف علاقوں سے علماء اور اہلِ فتویٰ حضرات میرے والد صاحب سے استفادہ اور علمی مسائل میں مشورے کرنے کیلئے دیوبند پر ٹوٹ پڑے تھے۔

حضرت والد صاحب کا دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں خطاب

جب والد صاحب دیوبند پہنچے تو جو حضرات میرے والد صاحب کا بیان کرانا چاہتے تھے ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہم سب سے زیادہ پیش پیش تھے، یہ ہمارے بچپن کے ساتھی ہیں اور اس زمانے میں موقوف علیہ یا دورۂ حدیث کے طالبعلم تھے، انہوں نے بہت ہی اہتمام اور اصرار سے حضرت والد صاحب کا دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کروایا اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈر نیا نیا ایجاد ہوا تھا اور شاید دیوبند میں سوائے مولانا ارشد مدنی صاحب کے کسی اور کے پاس نہیں تھا، انہوں نے بہت اہتمام کر کے حضرت والد صاحب کے بیان کو ریکارڈ بھی کیا تھا۔

مسلک دیوبند کس چیز کا نام ہے؟

اس زمانے میں حدیث شریف کا درس دارالحدیث میں اساتذہ ایک چوکی پر بیٹھ کر دیتے تھے، پیچھے گاؤ تکیہ لگا ہوتا تھا، تو جب حضرت والد صاحب خطاب کرنے کیلئے اس چوکی پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ شاید آپ حضرات مجھ سے یہ توقع کر رہے ہوں کہ میں آپ حضرات کے سامنے کوئی ایسی علمی تحقیق پیش کروں گا جو آپ نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی، اور میرا نفس بھی مجھے کچھ اسی طرف لے جانا چاہتا ہے، لیکن یہ گناہ میں نے دارالعلوم دیوبند کے اسی دارالحدیث میں اسی چوکی پر بیٹھ کر برسوں کیا ہے، الحمدللہ! اب میں اس گناہ سے توبہ کر چکا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے اس نیت سے ایسی بات کروں کہ آپ میری تحقیق کی تعریف کریں اور میری علمی عظمت کا اعتراف کریں، میں تو سیدھی سادی یہ بات کرنا چاہتا ہوں کہ دیوبند کس چیز کا نام ہے؟ اس موضوع پر والد صاحب نے بیان فرمایا، اس کی تفصیلات تو بہت ہیں لیکن حاصل اور لب لباب اس کا یہ ہے کہ دیوبند نہ تو صرف شہر کا نام ہے نہ ہی عمارتوں کا نام ہے، دیوبند نام ہے اتباع سنت کا، یہ کسی فرقے یا گروہ کا نام



نہیں ہے، جو اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے بعینہ وہی دارالعلوم دیوبند کا مسلک ہے۔

اور اتباع سنت کا کیا مطلب ہے؟ اتباع سنت کا مطلب ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں سنت پر عمل کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی اعتدال کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس سے ہٹ کر اعلیٰ درجے کا اعتدال اور توازن کسی طرح پیدا نہیں کیا جاسکتا، اور دارالعلوم دیوبند اسی سنت کے احیاء کا نام ہے، دیوبند رفض وخروج، جبر وقدر، اعتزال وارجاء اور تقلید واجتہاد کے درمیان راہ اعتدال ہے، یہ شریعت وطریقت، ظاہر وباطن کو جمع کرنے والی جگہ ہے۔

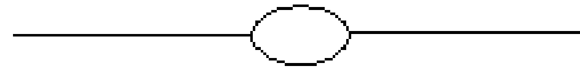
ناچیز عرض کرتا ہے کہ یہی مسلک بعینہ اہل سنت والجماعت کا ہے، چنانچہ آپ عقائد کی کوئی بھی مستند کتاب اٹھا لیجئے، متقدمین کی ہوں یا محققین متاخرین کی، ان میں جو عقائد اہل سنت والجماعت کے لکھے ہیں وہی عقائد بعینہ ہمارے بزرگان دیوبند کے ہیں، مسلک اہل سنت والجماعت ہی درحقیقت مسلک دیوبند ہے اور بزرگان دیوبند اسی مسلک کا عملی نمونہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس سے لے چپڑاسی تک سب صاحب نسبت ولی اللہ تھے

ہمارے دادا مولانا محمد یاسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، اور حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے ہم سبق تھے، ہمارے والد صاحب ہمارے دادا کا یہ قول بار بار سنایا کرتے تھے کہ ''میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں کے صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب کے سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے'' حضرت دادا صاحب فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر دن میں تو درسگاہوں میں قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں گونجتی تھیں اور رات کو طلبا کے کمروں سے ہچکیاں لے لے کر رونے اور تڑپنے والوں کی آوازیں آتی تھیں، دن میں یہ علما ہوتے تھے اور رات میں راہب بن جاتے تھے۔

جو اکابر دیوبند کے نقش قدم پر نہ چلے وہ مسلک دیوبند سے ہٹا ہوا ہے

دارالعلوم دیوبند دین کی جامعیت اور اتباع سنت کا دوسرا نام ہے، یاد رکھئے! جس میں شریعت وطریقت کے درمیان، ظاہر وباطن کے درمیان جامعیت نہ ہو، جہاں رفض وخروج کے درمیان، اعتزال وارجاء کے درمیان، جبر وقدر کے درمیان اور تقلید واجتہاد کے درمیان اعتدال نہ



ہو وہ لاکھ اپنے آپ کو دیو بند کا پرستار کہے ہم نہیں مانیں گے کہ وہ دارالعلوم دیو بند کا پیرو کار ہے۔

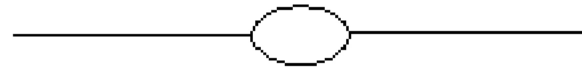
علماء دیو بند نے رد بدعات کیلئے کوششیں کیں جھگڑے نہیں کئے

دارالعلوم دیو بند احیاء دین اور اتباع سنت کا مرکز اور داعی تھا زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت اور سنت پر عمل کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہ اپنے شاگردوں کا سکھا تا تھا، دوسرے ناجائز کاموں کی طرح بدعات سے بھی امت کو بچانا اس کا بڑا مقصد تھا اور ہندوستان میں رد بدعات کے معاملے میں بھی دارالعلوم دیو بند پیش پیش تھا، کیونکہ دارالعلوم دیو بند کے پیش نظر سنت کا احیا تھا اور جو بات سنت کے خلاف تھی وہ اس کی اصلاح کی کوشش کرتا تھا، انہوں نے بدعت کے خلاف مناظرے کئے، وعظ کہے اور کتابیں لکھیں، لیکن کبھی آپ نے یہ سنا ہوگا کہ انہوں نے کسی کے خلاف جھگڑا کیا ہو؟ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی مسلم فرقے کے خلاف جھگڑا نہیں کیا۔

دارالعلوم دیو بند کے برابر میں بدعات

اب بہت کم لوگ اس بات کو جاننے والے رہ گئے ہیں کہ وہ دارالعلوم دیو بند جس کے علماء صحابہ کرام کے اور کتاب وسنت کے عملی نمونے تھے اسی دارالعلوم دیو بند کے برابر میں دیو بند میں ہی پندرہ شعبان کو شب براءت عجیب خوفناک طریقے سے منائی جاتی تھی، وہ شب براءت کیا ہوتی تھی شب براءت کے مبارک نام پر ایک آفت اور مصیبت بنادی گئی تھی، اس دن پوری دیو بند کی بستی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی تھی اور رات میں دونوں فریقوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی، اس لڑائی میں خود کار اسلحے کے سوا طرح طرح کا ہتھیار استعمال کیا جاتا تھا، اس لڑائی کیلئے مہینوں پہلے تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں اور لاٹھی، پتھر استعمال کرنے کی مشقیں کی جاتی تھیں، رات کو ایک دوسرے کو آگ لگانے کیلئے آتش بازی کی بیلیں بالکل اس طرح پھینکی جاتی تھیں جس طرح آج دستی بم پھینکے جاتے ہیں۔

جب صبح کو دارالعلوم جاتے تو راستہ میں جگہ جگہ زخمی لیٹے بیٹھے ہوتے تھے، کسی کا سر پھٹا ہوتا تھا، کسی کا ہاتھ ٹوٹ چکا ہوتا تھا، کسی کا ناک پھٹ چکی ہوتی تھی اور اس جنگ میں صرف دیو بند کے لوگ ہی شامل نہیں ہوتے تھے، بلکہ آس پاس کی بستیوں کے لوگ بھی شامل ہو جاتے تھے،



غرضیکہ یہ بدعت بہت ساری منکرات کا مجموعہ تھی، طلبا پر اس جنگ میں جانے کی سختی سے ممانعت ہوتی تھی، اورا ساتذہ اپنے بچوں، متعلقین اور طلباء کو اس میں جانے سے سختی سے منع کرتے تھے۔

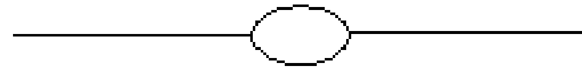
اس کے علاوہ دیوبند میں بعض مزارات کے اوپر چراغاں اور روشنی بھی کی جاتی تھی جہاں طرح طرح کی بدعات ہوتی تھیں۔ ہمارے علماء نے اس کے خلاف وعظ تو کئے نصیحت تو کی لیکن کبھی طلبا کو یہ نہیں کہا کہ وہ ان اہل بدعت سے لڑائی جھگڑا کریں اور نہ کبھی طلبا نے اس بات کی جرأت کی کہ وہ ان سے لڑیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کچھ حدود ہیں

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث جانتے تھے جس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان (مشکوٰۃ شریف، باب الامر بالمعروف ص۴۳۶)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص کسی ناجائز کام کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ (طاقت) سے روک دے، اور اگر طاقت سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو پھر زبان کے ذریعے اسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی قدرت اور استطاعت نہیں تو دل سے اسے روکے (یعنی دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ نیت رکھے کہ جب قدرت ہوگی تو اسے روکنے کی کوشش کروں گا) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

یہاں استطاعت سے صرف حسی اور جسمانی طاقت مراد نہیں ہے، بلکہ استطاعت کے مطلب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر کسی منکر اور برائی کو طاقت کے ذریعے مٹانے میں یہ خطرہ ہو کہ اس کی وجہ سے اس سے بھی بڑا منکر یا فتنہ کھڑا ہو جائے گا مثلاً مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تو یہ فریضہ ہاتھ سے زبان کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جس کو دوسرے الفاظ میں اس طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کو کسی علاقے والوں پر شرعاً و قانوناً، یا عرفاً ولایت اور اختیار اس بات کا حاصل ہے کہ وہ ان کے اوپر اپنی طاقت استعمال کر سکتا ہے مثلاً حاکم وقت یا کسی ادارے کا



با اختیار سربراہ تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اختیار کی حد تک طاقت استعمال کر کے اس برائی کو روک دے۔ اور اگر اس کو ایسی قدرت اور ولایت واختیار حاصل نہیں مثلاً علماء کرام، واعظین اور مبلغین اور عوام تو اس برائی کو روکنے کے لئے وہ زبان سے کوشش کریں، یعنی سنت انبیاء کے مطابق نہ سہی، خیر خواہی اور حکمت کے ساتھ لوگوں کو سمجھائیں۔

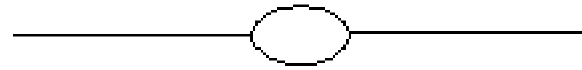
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی پھوٹ سے بچنے کیلئے کعبۃ اللہ کی تعمیر میں کمی برداشت فرمائی

اس کی مثال آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو ان کے پاس پیسوں کی کمی پڑ گئی، جس کی وجہ سے انہوں نے بیت اللہ کی لمبائی میں کچھ کمی کردی اور بھی تغیرات کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: لولا ان قومك حديث عهد بالاسلام، الحديث۔ یعنی اگر تمہاری قوم نئی نئی اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی تو جو بیت اللہ شریف کی تعمیر میں کمی ہوئی ہے اس کو پورا کرتا اور اس کے دو دروازے بناتا، ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکلتے (صحیح بخاری ج ا، باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فہم بعض الناس فیقعوا فی اشد منہ، ص ۴۲)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جانے کے ڈر کی وجہ سے اتنا عظیم کام چھوڑ دیا اور بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر نہیں کی اور وجہ یہ بتائی کہ یہ اہل مکہ حدیث العہد بالاسلام ہیں یعنی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں، ان کو بیت اللہ کے ان پتھروں سے عقیدت ہے، دوبارہ اگر تعمیر کی گئی تو پھوٹ پڑ جائے گی۔ کچھ لوگ کہیں گے یہ تعمیر صحیح ہوئی کچھ لوگ کہیں گے یہ تعمیر صحیح نہیں ہوئی تو اس فتنے سے بچانے کیلئے بیت اللہ کی تعمیر نامکمل چھوڑ دی۔ کوئی مسجد، کوئی مدرسہ، کوئی خانقاہ بیت اللہ شریف سے افضل نہیں ہوسکتا، جب اس کی تعمیر کو فتنے کی وجہ سے چھوڑ دیا تو باقی مساجد کو بطریق اولیٰ فتنہ وفساد سے بچانا چاہئے۔ اسی وجہ سے علماء دیوبند نے کبھی بریلوی حضرات کے خلاف بھی جھگڑے نہیں کئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس سے صرف فساد پھیلے گا۔

اپنے بزرگوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں

میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر آپ مسلک دیوبند پر اعتماد رکھنے والے ہیں اور ان عظیم



ہستیوں پر اعتماد کرتے ہیں جن کا نام لینے کے بھی ہم قابل نہیں ہیں تو ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں اور جو بات بھی ان کے طریقے کے خلاف نظر آئے چاہے وہ کتنے ہی خلوص سے کی جارہی ہو اس کو سمجھ لیجئے کہ وہ مسلک دیوبند کا راستہ نہیں ہے، اس لئے کہ ہمارے بزرگوں کے تمام کام سنت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، جو کام بھی اس کے خلاف ہوگا وہ سنت کے خلاف ہوگا۔

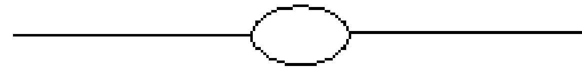
اعتدال بزرگوں کے راستے پر چلنے ہی میں ہے

یاد رکھئے ہم اپنے بزرگوں کے طریقے سے جتنا ہٹیں گے اتنا ہی راہ اعتدال اور سنت کے راستے سے ہٹیں گے، اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھئے کہ جو بھی کام کریں وہ بزرگوں کے طریقے کے مطابق کریں۔

ہمارے بزرگوں کے عمل کو دیکھ کر سنت کے ہونے یا نہ ہونے پر استدلال کیا جاتا تھا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے ایک ان پڑھ حجام (بال کاٹنے والا) بھی عقیدت رکھتا تھا، اور ان کی مجلسوں میں آیا کرتا تھا، شاید ان سے بیعت بھی ہوگیا تھا۔ ایک دفعہ اس کا گنگوہ سے سہارنپور جانا ہوا چونکہ وہ بزرگوں کا صحبت یافتہ تھا اور بزرگوں سے خوب محبت کرتا تھا اور ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتا رہتا تھا اس لئے صاحب بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ذہن میں روزمرہ کے کاموں میں سے کسی کام کے بارے میں ہی یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا یہ سنت ہے یا نہیں؟ اس نے اس بارے میں حضرت سہارنپوری سے پوچھا اور صحیح جگہ پوچھا، کیونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے۔ اب آپ حضرت کا جواب سنئے، حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ اس طرح سنت ہے، بلکہ فرمایا تم نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا عمل کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ اس طرح دیکھا ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ بس یہی سنت ہے۔

تو ہمارے بزرگوں کے اعمال سنت کے سانچے میں اتنے ڈھلے ہوئے تھے کہ ان کے عمل کو دیکھ کر سنت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے پر حضرت سہارنپوری جیسے جلیل القدر محدثین بھی استدلال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔



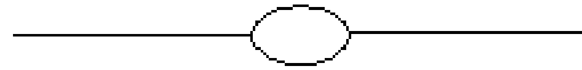
مولوی محمد ابو ذر دارالعلوم سرگودھا

خدا اکیلا ہے

(''تقریر دلپذیر'' کی ایک عبارت کی تسہیل)

مختلف ادوار میں لوگ مختلف قسم کے شرک کے مرتکب ہوئے کسی نے اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرایا کسی نے ذات وصفات میں شریک ٹھہرایا اور کسی نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ کر شرک کیا اسی طرح عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریک ٹھہرایا اور اس میں ان کے تین گروہ بن گئے تھے ایک گروہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ عین خدا ہیں، دوسرا گروہ کہتا تھا کہ ثالث من ثلثہ ہیں، تیسرا گروہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں، حالانکہ یہ بات بعید از عقل ہے اس لئے کہ اگر کسی کو خدا کا بیٹا کہیں گے تو یہ بات عقل میں نہیں آتی کیونکہ اولاً تو توالد وتناسل محتاجگی کی دلیل ہے جیسے اولاد اپنے پیدا ہونے میں ماں باپ کی محتاج ہوتی ہے ایسے ہی ماں باپ خدمت گذاری میں اور نسل کی بقاء میں اولاد کے محتاج ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ اولاد ماں باپ کے ہم جنس ہوا کرتی ہے سو اگر کوئی خدا کا بیٹا ہوگا تو وہ بھی ہم جنس خدا ہوگا تو اس صورت میں خدا کی وحدانیت باقی نہ رہے گی حالانکہ خدا کی وحدانیت عقل ونقل سے ثابت ہے اور اس کے ساتھ ہی جبکہ حضرت کا بشر ہونا مسلم ہے خدا کو بشر ماننے سے مفر نہ ہوگا اور اس کے مفاسد عاقل پر مخفی نہیں سو ایسی کیا ضرورت ہے کہ جب کسی بشر کا باپ نہ ہو تو اس کو خدا کا بیٹا کہہ کر اس کی بشریت ہی کی نفی کی جائے۔ اور اگر وہ بیٹا خدا کا ہے تو پھر اس کا ہم جنس ہے یا نہیں اگر ہے تو وحدانیت باطل ہوتی ہے اور اگر نہیں ہے تو وہ اس قسم کا ہوگا جیسے آدمی سے سانپ وغیرہ تو یہ اولاد نہ ہوئی بلکہ عذاب ہوا تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا کو اپنے آپ جیسا پیدا کرنا نہیں آتا دوسرا جیسا بھلا برا کر دیتا ہے سر دھرنا پڑتا ہے تو یہ بھی کوئی خدا ہے جس کو پیدا بھی نہ کرنا آئے ہم تو اس کو خدا تسلیم نہیں کرتے۔

اگر بیٹے کو تسلیم کیا جائے تو پھر زوجہ کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہ ہوگا تو پھر زوجہ بھی برادری میں سے ہونی چاہئے نہ کہ کم ذات اور بد اطوار کیونکہ کم ذات بیوی تو بندوں کے حق میں بھی معیوب



ہے خدا تو درکنار پھر عجب اس پر یہ ہے کہ جو لوگ خدا کیلئے بیٹے کو ثابت کرتے ہیں اس بیٹے کی ماں ابن آدم ہی میں سے بناتے ہیں اور اگر کسی شریف کا نکاح کم ذات میں ہو تو اطراف سے عیب لگتا ہے اور خدا کے ساتھ بندوں کو نسبت ہی نہیں پھر اس سے خدا کی خدائی میں عیب کیوں نہ لگے گا۔

اب آپ ہی انصاف فرمایئے کہ جب خدا کو بھی عیب لگا تو پھر خدائی کہاں رہی ہم اسی کو خدا سمجھتے ہیں کہ جو عیب ونقصان سے پاک ہو اگر عیب ونقصان والا ہی خدا ہوتا ہے تو پھر ہم کو کس نے منع کیا ہے کہ ہم خدائی کا دعوی نہ کریں۔

ابنیت مسیح کے متعلق نصاری کے دلائل کا جائزہ

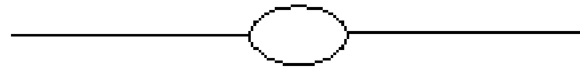
(۱) حضرت عیسیٰ خدا کو باپ کہا کرتے تھے (انجیل ۱۰باب ۳۴ اور ۸۲ زبور ۶)

(۲) حضرت عیسیٰ کا ظاہر میں کوئی باپ نہ تھا۔

(۳) ایسے پارسا تھے کہ ان کی پارسائی کی دھوم ہے اور ایسے اچھے اخلاق رکھتے تھے کہ سب کو معلوم ہے جس شخص میں خدا کے سے اخلاق ہوں اور پھر بے باپ کے پیدا ہو بجز اس کے کہ خدا کا بیٹا ہو اور کیا ہوسکتا ہے۔مندرجہ بالا دلائل سے ایسے بڑے مسئلہ کو ثابت کرنا عقل والے کے نزدیک پہاڑ کا بلکہ آسمان کا تنکے پر تھامنا ہے اب ان دلیلوں کا حال دیکھئے۔

پہلی دلیل یہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کو باپ کہتے تھے اس دلیل کی بجز انجیل کے کوئی سند نہیں جس سے حضرت عیسیٰ کا خدا کو باپ کہنا ثابت ہو، ایسے محال اقوال کو ثابت کرنے کیلئے اگر کوئی خبر متواتر بھی ہوتی تب بھی قابل تسلیم نہ تھی چہ جائیکہ وہ انجیل جس کی حضرت عیسیٰ تک ایک بھی ایسی سلسلہ وار متصل روایت نہیں کہ جس کے راویوں کی تعداد اور ان کے نام ونشان اور ان کے صدق وکذب اور عقل وفہم اور درستی حافظہ وغیرہ کا حال معلوم ہو۔ اور دوسرا یہ کہ انجیل کا حوالہ دینا اور انجیل کا حال نصاری ہی کے بڑے اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ چالیس ہزار جگہ سہو کاتب ہے اور سات آٹھ جگہ دیدہ دانستہ تحریف کی ہے تو ایسا وثیقہ جس میں اس قدر سہو کاتب ہو وہ لاکھوں دلیلوں کے باوجود بھی کسی دعوی کو ثابت کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔

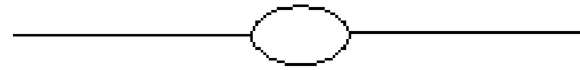
دوسری دلیل یہ کہ حضرت عیسیٰ کا ظاہر میں کوئی باپ نہ تھا تو یہ دلیل بالکل بھی قابل اعتناء



نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کا تو صرف باپ ہی نہ تھا حضرت آدم وحوا کے ماں باپ دونوں نہ تھے اور ملک صدق کا حال توریت وزبور میں لکھا ہے کہ اس کا کوئی ماں باپ نہ تھے اور ملک صدق کا حال توریت وزبور میں لکھا ہے کہ اس کا کوئی ماں باپ نہ تھا نہ اس کا کچھ نسب نامہ نہ اس کے دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر اور الفنوا ایک عورت تھی اس کے تین فرزند شعاع کے وسیلہ سے پیدا ہوئے چنگیز خان ان میں سے ایک کی اولاد میں سے ہے حکیم راوزی جس کا مذہب چین میں رائج ہے اسی رس تک ماں کے پیٹ میں رہا اور سورج کے وسیلہ سے بے باپ پیدا ہوا۔

دوسرا یہ کہ اس باپ کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ حضرت عیسیٰ بے باپ ہی کے پیدا ہوئے اور یہود مردود کا قول غلط ہے اول تو یہ عقل کے نزدیک خدا کی قدرت سے کچھ محال نہیں کہ اگر کسی بشر کو بے باپ کے یا بے ماں کے یا بے ماں باپ کے پیدا کر دے آخر زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے اربع عناصر سب بے ماں باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور دوسرا یہ کہ اگر بپاس خاطر نصاری ہم تسلیم بھی کریں کہ کوئی بے باپ کے نہیں ہوسکتا سو جس صورت ہیں حضرت عیسیٰ بے باپ ظاہر پیدا ہوئے تو حضرت آدم جوان کے نزدیک بھی بے ماں باپ دونوں کے پیدا ہوئے ہیں اور سب حیوانات کے اول اول فرد سب میں خدا ہوں گے تو لہذا یہ کہنا کہ کوئی بے باپ پیدا نہیں ہوسکتا اور حضرت عیسیٰ کا بظاہر باپ کوئی نہ تھا اس سے ان کو خدا کا بیٹا باطل ٹھہرا۔

تیسری دلیل یہ کہ وہ بہت پارسا تھے تو اس صورت میں اول تو وہ ان کی بندگی وبشریت کے قائل ہو گئے اور ہم کو اس جگہ فقط اتنی ہی بات غرض تھی دوسرے یہ کہ ان کی اس عبادت وپارسائی سے ابنیت خدائی لازم نہیں آتی کیونکہ کوئی زیادہ عبادت کرتا ہے اور کوئی کم پھر پھر تو کوئی بیٹا ہونے میں اعلی ہوگا اور کوئی کم تو اس طرح ان میں اور ہم میں کیا فرق رہا اس سے وہ بڑے مرتبے کے بیٹے اور ہم چھوٹے مرتبے کے بیٹے (العیاذ باللہ) بلکہ ایک وجہ سے تو ہم ہی بڑے ہوں گے کیونکہ عبادت اور ابنیت خدائی میں مخالفت ہے کیونکہ جو جتنی بندگی کرتا ہوگا وہ خدا ہونے میں اتنا ہی بعید ہوگا کیونکہ خدا بندگی نہیں کرتا اور حضرت عیسیٰ زیادہ بندگی کرتے تھے تو ابنیت خدائی سے اتنے ہی بعید ہوئے اور ہم عبادت کم کرتے ہیں تو لم ابنیت خدائی کے قریب تر ہیں۔



یادرفتگاں

مولانا ضیاء الرحمٰن جالندھری ملتان

بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش محدث کاندھلوی رحمہ اللہ

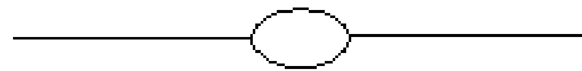
خاندان:

قصبہ کاندھلہ مغربی یو پی کی ایک قدیمی اور علمی دینی شہرت کی بستی ہے ۔اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خاصی پرانی آبادی ہے جوممکن ہے کہ ہزار سال سے متجاوز ہو۔اس قصبہ میں چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے مسلمان موجوداور آباد تھے ۔آٹھویں صدی ہجری کی آخری دہائی (تقریباً ۷۹۰ھ بمطابق ۱۳۸۸ء) میں ہندوستان کے ممتاز عالم قاضی ضیاءالدین محمد سنامی کے پڑپوتے قاضی کریم الدین مذکر رحمہ اللہ قصبہ کاندھلہ میں مراسم دین کی نگہبانی اور امامت کی خدمت پر دہلی حکومت کی جانب سے مامور ہوئے پھر پوری زندگی اس پر مامور اور قصبہ کاندھلہ میں مقیم رہے یہیں وفات ہوئی ۔اس کے بعد سے آج تک کاندھلہ میں قاضی ضیاء الدین محمد سنامی کی اولاد کی ایک شاخ کاوطن بن گیا۔

حضرت مولانا محمد شریف کاندھلوی اسی شاخ میں ایک بزرگ تھے مولانا محمد شریف صاحب کے تین صاحبزادے ہوئے (۱)مولانا ابوالحسن جولاولد فوت ہوئے (۲)مولانا حکیم عبدالقادر جومولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی اوراس خانوادہ کے جد ہیں (۳)مولانا محمد فیض جن کاقیام قصبہ جھنجھانہ میں رہا آپ ہی بانی تبلیغ جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی م ۱۳۶۳ھ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی ثم مدنی م۱۴۰۲ھ اوراس خانوادہ کے جد ہیں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا خاندان میں ایک ممتاز مقام تھا حضرت مفتی صاحب کا شمار ممتاز علماء ومحدثین میں ہوتا ہے حضرت مفتی صاحب خلیفہ اول امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ۳۱ ویں پشت میں تھے ۔

شجرہ نسب:

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی بن مولانا محمد عرف شیخ الاسلام بن مولانا حکیم



قطب الدین بن مولانا حکیم عبدالقادر بن مولانا محمد شریف بن مولانا محمد اشرف بن مولانا جمال الدین محمد بن مولانا نورمحمد عرف بابن شاہ بن مولانا قاضی بہاءالدین بن مولانا شیخ محمد بن قاضی کریم الدین مذکر بن امام تاج الدین مذکر بن امام حاج بن قاضی ضیاءالدین محمد سنامی بن عمر بن عوض بن ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمویہ بن سعد بن حسین بن قاسم بن نصر بن قاسم بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن امام قاسم بن حضرت ابوالقاسم محمد بن امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

ولادت

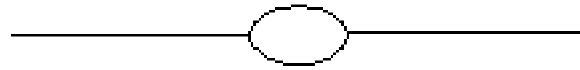
حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کاندھلوی کے ہاں بی بی عظمت النساء کے بطن سے ۱۱۶۲ھ بمطابق ۱۷۴۸ء میں قصبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے آپ کے تاریخی نام ضیاء النصیر، محمد عرض، محفوظ حسین ہیں جن سے آپ کا سن ولادت ۱۱۶۲ھ نکلتا ہے حضرت مفتی صاحب کے تین بھائی اور تھے (۱) مولانا محمود بخش کاندھلوی جو حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی ثم مدنی م ۱۲۸۳ھ اور اس خانوادہ کے جد ہیں (۲) مولانا کمال الدین کاندھلوی (۳) مولانا امام الدین کاندھلوی (جو لاولد تھے)۔

تعلیم:

حضرت مفتی صاحب کا بچپن وطن میں گزرا والدین کے سایہ میں پرورش و تربیت پائی قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں متوسطات تک والد ماجد سے اخذ کیں۔

تعلیم کیلئے دہلی کا سفر

متوسطات کی تعلیم کے بعد مزید تعلیم کیلئے ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۲ء میں چودہ سال کی عمر میں دہلی کا سفر کیا، دہلی اس وقت علم وتدریس کی کثرت اور بلند پایہ علماء کرام کی موجودگی کی وجہ سے رشک بغداد و بخارا بنا ہوا تھا خصوصاً آخری دور کے امام حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ امام المحدثین حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ احمد محدث دہلوی (م جمعہ ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ) کے وجود سے علم کی ایسی شمع روشن تھی جس کی کرنوں سے آفتاب



وماہتاب شرمندہ تھے، حضرت مفتی صاحب نے اس مجمع علماء مرکز علم وفضل سے استفادہ کے لئے دہلی کا سفر کیا۔

یہ زمانہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی زندگی کے آخری ایام کا تھایا پھر ان کی وفات کے فوراً بعد کا بہر حال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات (م جمعہ ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ) کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ نے مسند درس وافادہ کو زینت بخشی اور سب سے پہلے جو چار پانچ طالب علم حضرت شاہ صاحب کے حلقہ درس سے فیضیاب ہوئے اس میں حضرت مفتی صاحب شامل تھے۔حضرت مفتی صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے کافیہ وغیرہ متوسطات کے اسباق شروع کئے تھے کافیہ سے درس کی اعلیٰ ترین کتابوں تک ایک ایک کتاب کی سند حضرت مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں قلم بند کی ہے، اور حضرت شاہ صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو جو سند عطا فرمائی اس میں صراحت ہے کہ انہوں نے شروع سے آخر تک تمام کتابیں میرے روبرو عرض کیں۔

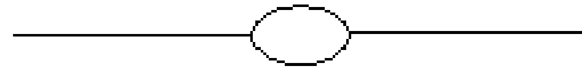
حدیث شریف

حضرت مفتی صاحب نے حدیث شریف کی اکثر کتابیں حضرت شاہ صاحب سے پڑھیں، سوائے مصابیح السنہ اور سنن ابی داؤد اس کی تصریح حضرت شاہ صاحب اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

وسمع المصابيح بقراءة الاخ الارشد العالم الصالح الشيخ عبدالقادر وقرأ عليه سنن ابي داؤد ترجمہ: مصابیح میرے نیک بھائی، عالم وصالح شیخ عبدالقادر کی قراءت سے سنی اور ان (ہی) سے سنن ابی داؤد پڑھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی عطا فرمائی ہوئی سند

فعرف معاني المتون ودقائقها واصطلاحات الحديث واحوال اسانيده ،حتى تيسرله ملكة التقاة المطالب من الشروح والحواشي بحيث يعتمد على فهمه ويقبل ما صدر من رأيه وصار بحمد الله فاضلا جيدا



وعالما ذا تقوی وصلاح وخشیة من اللّٰہ ومحبته والاستقامة فی شریعته واھلا لا ن یعتمد علٰی فتاویه واجوبته مع فضائل آخر۔

ترجمہ: پس متون کے مفہوم ان کی باریکیوں اور اصطلاحات حدیث واسانید کو پہچانا، یہاں تک ان میں شروح وحواشی سے مطالب اخذ کرنے کی ایسی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کی سمجھ (اور صلاحیت) پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور ان کی رائے قبول کی جا سکتی ہے۔ بفضلہ تعالٰی نہایت جید فاضل اور ممتاز عالم ہوگئے ہیں، نیکی پرہیز گاری والے، اللہ سے ڈرنے، محبت کرنے والے، اس کی شریعت پر جمے ہوئے اور اس کے اہل کہ ان کے فتوؤں اور جوابات پر اعتماد کیا جائے، مع اور فضائل اور کمالات کے۔

حضرت مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز کی نظر میں

حضرت شاہ صاحب نے مفتی صاحب کی استعداد، اعلٰی درجہ کی علمی صلاحیت کو اپنی ایک مجلس میں اس طرح ارشاد فرمایا،، درشاگردان من دوکس خوب بودند چنانچہ مولوی رفیع الدین ومولوی الٰہی بخش،، ترجمہ: میرے شاگردوں میں دو شخص بہت عمدہ ہوئے مولوی (شاہ) رفیع الدین اور مولوی (مفتی) الٰہی بخش۔

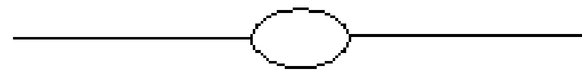
رفقاء

حضرت مفتی صاحب کے رفقاء میں حضرت شاہ رفیع الدین محدث دھلوی م۱۲۳۳ھ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی م۱۲۳۰ھ حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

سفر سلوک اور اجازت وخلافت

حضرت مفتی صاحب نے درسیات کے علاوہ سلوک وتصوف کی متعدد اہم تصنیفات اور دیگر فنون کی اہم کتابیں سبقاً سبقاً حضرت شاہ صاحب سے پڑھیں اور مراتب عرفان وسلوک کی علمی واقفیت کے علاوہ اصلاح باطن اور سلوک وتصوف کی عملی تربیت بھی حاصل کی۔

حضرت شاہ صاحب کے حلقہ اصلاح وتربیت سے وابستہ ہوئے اور مراحل سلوک مکمل کرنے کے بعد اجازت وخلافت سے مشرف کئے گئے۔ (جاری)



تعارف کتب

نام کتاب: تفسیر بیان القرآن دو جلد مصنف: حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان ۔فون: 0322-6180738

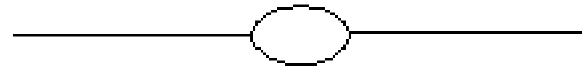
حضرت اقدس حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن کسی تعارف کی محتاج نہیں، حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ ''تفسیر بیان القرآن میں بڑی بڑی کتابوں کی مبسوط اور مفصل بحثوں کا خلاصہ اور نتیجہ نکال کر رکھدیا گیا ہے'' اب تک اس تفسیر کے بلا مبالغہ سینکڑوں اڈیشن طبع ہو چکے ہیں، مگر زیرِ نظر اڈیشن ایک ممتاز اڈیشن ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کو کہ انہوں نے اس کی شایان شان طباعت کا اہتمام کیا ہے، پوری کتاب آرٹ پیپر پر مطبوعہ اور عمدہ طباعت سے آراستہ ہے نیز کتاب کے شروع میں ''تفسیر بیان القرآن کا تعارف'' کے نام سے ایک مقدمہ کا اضافہ کیا گیا ہے جو فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کا تحریر فرمودہ ہے اس اڈیشن کے بارے میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ناشر کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں کہ ''اب تک اس گرانقدر تفسیر کے جتنے اڈیشن شائع ہوئے ہیں یہ ان میں بہترین ہے، اللہ تعالیٰ اس خدمت پر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں''۔

نام کتاب: التکشف عن مہمات التصوف تالیف: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

صفحات: ۷۲۸ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۔فون: 0322-6180738

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شریعت و طریقت دو جدا جدا چیزیں ہیں لیکن درحقیقت طریقت عین شریعت ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''التکشف'' کتاب میں تقریباً تین سو تیں احادیث سے تصوف و سلوک کے مسائل کو مستنبط فرمایا ہے۔ اور سلوک و تصوف پر وارد ہونے والے اشکالات و شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی اب مولانا محمد عثمان منصور پوری کی تخریج و تحقیق نیز کمپیوٹر کتابت اور عمدہ طباعت کے ساتھ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے شائع کی ہے۔



نام کتاب: مسائل بہشتی زیور: مصنف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
صفحات: ۳۶۸ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۔فون: 0322-6180738

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی دینی مسائل سے متعلق اہم کتاب ہے جو اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے، زیر نظر کتاب بہشتی زیور سے ماخوذ مسائل کا مجموعہ ہے جس میں (۱) وضو (۲) نماز (۳) روزہ (۴) نزع کے وقت کے اعمال (۵) زکوۃ (۶) حج (۷) نکاح (۸) خرید و فروخت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں ۔علاوہ ازیں عنوانات کا اضافہ اور قوسین میں مشکل الفاظ کے معانی بھی لکھ دیئے گئے ہیں، جس سے استفادہ کرنا مزید آسان ہو گیا ہے، یہ کتاب ہر مسلمان مرد و عورت کیلئے مفید اور ہر گھر کی ایک اہم ضرورت ہے۔

نام کتاب: خطبات عارفی افادات: عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ
مرتب: حافظ محمد اسحٰق صفحات: ۵۲۰ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۔0322-6180738

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ حکیم الامۃ حضرت تھانوی کے خلفاء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں آپ کے فیض یافتہ حضرات میں بڑے بڑے علماء و مشائخ شامل ہیں، زیر نظر کتاب حضرت عارفی رحمہ اللہ کے خطبات، ملفوظات، مقالات اور آپ کی چند نایاب مجالس پر مشتمل ایک حسین مرقع ہے، کتاب کے شروع میں حضرت عارفی قدس سرہ کے مختصر حالات اور کتاب کے آخر میں حضرت کا رسالہ ''معمولات یومیہ'' جو کہ اصلاح باطن کے مختصر نصاب پر مشتمل ہے بھی شامل اشاعت ہے۔

نام کتاب: اعمال قرآنی تالیف: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
صفحات: ۱۸۸ ناشر: انجمن احیاء السنہ نصیر آباد باغبانپورہ لاہور

اعمال قرآنی انتہائی مفید کتاب ہے جسے متعدد اداروں نے شائع کیا زیر نظر نسخہ حضرت ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب مدظلہم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ لاہور کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ہے اب تک اس عظیم رسالہ کے جتنے اڈیشن شائع ہوئے ہیں یہ ان میں بہترین ہے ۔کاغذ و طباعت اعلیٰ درجہ کی ہے اس نسخہ کی کتابت عام کمپیوٹر کی کتابت سے منفرد حیثیت رکھتی ہے ۔تصحیح کا مرحلہ جو ایک انتہائی اہم مرحلہ ہوتا ہے اسے جناب قاری عبیداللہ ساجد زید مجدہ نے سرانجام دیا ہے۔

برائے رابطہ: جناب قاری عبیداللہ ساجد مدرسہ احیاء السنہ للبنات فرو کہ سرگودھا ۰۳۰۱-۶۷۵۰۲۰۸

